مصر و شام و فلسطین

خونناب سے لالہ زار



ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز نئی دہلی

مصر وشام و فلسطین

خون سے لالہ زار

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی
[سابق پروفیسر، ڈین عرب اسٹڈیز، انگلش اینڈ فارن لینگویجز یونیورسٹی، حیدر آباد
حال استاذ و صدر شعبہ تخصصات دار العلوم حیدر آباد]

ناشر

قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس

مصر وشام وفلسطین
خون سے لالہ زار

Misr, Sham & Flastin: Khun se Lalazaar

By: Dr Mohsin Usmani Nadwi

مصنف کے افکار وخیالات کوئی ضروری نہیں کہ ناشر، تقسیم کار یا پرنٹر کے موافق ہوں۔

ISBN: 978-81-89964-99-3



مصنف	:	ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی
کل صفحات	:	90
قیمت	:	اسّی روپے (Rs. 80/-)
پہلا ایڈیشن	:	2013
مطبع	:	بھارت آفسیٹ، گلی قاسم جان، دہلی-110006

ناشر

قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

B-35، نظام الدین (ویسٹ)، نئی دہلی-110013

Tel.: 91-11-24352732 Fax.: 91-11-24352048

E-mail: qazipublishers@yahoo.com

قرآنی آیات

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (البقرہ: ۲۱۴)

(پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی تمہیں جنت میں داخلہ مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے، جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں وہ ہلا مارے گئے حتی کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں، اللہ کی مدد قریب ہے)

....

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَآءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۵۴)

(اے ایمان والو صبر وصلوۃ سے مدد چاہو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کیے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم محسوس نہیں کرتے ہو)

حدیث نبوی

تری المؤمنین فی تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم کمثل الجسد، إذا اشتکی عضواً تداعی له سائر جسده بالسهر والحمی (بخاری، باب رحمۃ الناس والبہائم)

(تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومحبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف ونرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جب کوئی عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے۔ ایسی کہ نیند اڑ جاتی ہے اور جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے)

فہرست

عرض ناشر

پروفیسر محسن عثمانی ندوی کی ایک کتاب ''عرب دنیا میں انقلابات'' شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہے اور اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، اب ان کی دوسری کتاب ''مصر وشام وفلسطین'' ہدیہ ناظرین کی جارہی ہے، جو مسلم دنیا کے واقعات کے سلسلہ میں ان کی حساسیت اور دردمندی کی دلیل ہے۔ دنیا کے تمام مسلمان ایک جسد واحد کے مانند ہیں کہیں ایک مسلمان کے پیر میں کانٹا بھی چبھے تو اس کی کسک دل میں محسوس کی جانی چاہئے۔ مصر میں جو قتل عام ہورہا ہے وہ مسلمان کو غم زدہ کردینے کے لئے کافی ہے۔ فلسطین کا زخم ابھی مندمل نہیں ہوا ہے۔ شام میں مسلمانوں پر جو مظالم ہورہے ہیں نہ ان سے بے خبر ہونا چاہئے اور نہ ان سے بے پرواہ ہونا چاہئے۔ اور دامے درمے قدمے سخنے جو مدد ہو ان کی کی جانی چاہئے۔ اس کتاب سے بھی صحیح صورت حال کے سمجھنے اور شعور کو بیدار کرنے میں مدد ملے گی۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب بھی بڑے پیمانہ پر پڑھی جائے گی اور صحیح سمت میں رائے عامہ کو ہموار کرنے میں اس سے مدد ملے گی اور اردو صحافت کے نمائندہ اشخاص اس سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

محسن عثمانی ندوی حیدرآباد کے انگلش اینڈ فارن لینگویجز میں عرب اسٹڈیز کے ڈین رہ چکے ہیں۔ عرب دنیا کے حالات پر ان کی گہری نظر ہے۔ عربی اخبارات اور عربی ٹی وی چینلس سے بھی انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے اور پھر اسلامی نقطہ نظر سے انہوں نے واقعات کا تجزیہ کیا ہے۔ اور اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ ہندوستان کے معروف اصحاب قلم میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے قلم سے نکلی ہوئی تحریروں کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اس لئے قاضی پبلیشرز ''مصر وشام وفلسطین'' شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔

اور مجھے امید ہے کہ ان کی سابقہ تحریروں کی طرح یہ کتاب بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی۔

مصر میں انسانیت کا قتل عام

صلۂ شہید کیا ہے تب وتاب جاودانہ

خزاں کے ہاتھوں گلوں پر نہ جانے کیا گذری
چمن سے آج صبا بے قرار گذری ہے

۳؍جولائی ۲۰۱۳ء مصر کی تاریخ کا روز سیاہ ہے جب جمہوری اعتبار سے منتخب صدر محمد مرسی کی جائز اور دستوری حکومت کا تختہ الٹ کر فوج برسر اقتدار آ گئی، وہ فوج جس کا کام، ملک کی سرحدوں کی حفاظت تھا اس نے ناجائز طریقے سے زمام اقتدار پر قبضہ کرلیا، اخوان کے کئی سرکردہ لیڈروں کو پس دیوار زنداں ڈال دیا، روزہ رکھ کر پُرامن مظاہرہ کرنے والوں پر پورے ملک میں گولیاں چلائی گئیں، اور ۲۰۰؍ کے قریب لاشیں سڑکوں پر گریں اور زخمیوں کی تعداد چار ہزار (۴۰۰۰) سے تجاوز کرگئی، اور عید کے بعد تو کریک ڈاون کے نتیجہ میں مرنے والوں کی تعداد پانچ ہزار (۵۰۰۰۰) تک پہنچ گئی اور زخمیوں کی تعداد دس ہزار (۱۰۰۰۰) تک، یہ مصر میں قتل عام ہے اور اخوان کی لاشوں کا اہرام ہے، تاریخ میں شقي القلب فوج کے ہاتھوں خونریزی کے اس طرح کے واقعات بار بار پیش آئے، ہندوستان میں انگریزوں کے دور میں جلیان والا باغ اور مصر میں انگریزی عہد میں دنشوائے کا حادثہ بھی فوج کے ہاتھوں ظلم وبربریت کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں، لیکن مصر کا یہ حالیہ واقعہ زیادہ غم انگریز اور دل گداز اس لئے ہے کہ صرف مقتول مسلمان نہیں تھے بلکہ قاتل بھی مسلمان تھے اور اپنے ہی ملک کے فوجی تھے جس زمانے میں یہ ستم رانی اور خون

ریزی شروع ہوئی تھی وہ رمضان المبارک کا مقدس زمانہ تھا اور جن لوگوں پر یہ ستم ڈھایا گیا وہ سب اسلامی نظام کے پُر جوش علم بردار تھے اور شریعت اسلامی کی تنفیذ کے داعی اور نقیب تھے ان کا قصور یہ تھا کہ وہ دستور اور منتخب صدر محمد مرسی کی بحالی کا مطالبہ کر رہے تھے، مظاہرہ کرنے والوں میں با حجاب پردہ نشیں خواتین تھیں جو محمد مرسی کی بازمأموری کا مطالبہ کر رہی تھیں اور پھر عید کا تحفہ ان حق پسندوں کو خاک وخون میں آلودہ کر کے دیا گیا، مسجدوں اور شفاخانوں میں آگ لگائی گئی کہ کوئی جائے پناہ ان کے لئے باقی نہ رہے اور لاشیں راکھ اور کوئلہ بن جائیں کیا عجب کہ شہداء کی روحیں اس وقت اپنے پروردگار سے کہہ رہی ہوں گی ؎

بجرم عشق تو ام می کشند وغوغائیست

تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشہ ایست

ماہر القادری کے ہدیہ نعت وسلام کا یہ شعر اسی موقع کے لئے ہے ؎

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں

بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

عرب دنیا کا اکثر خطہ کئی دہائیوں سے قیادت کے بحران میں مبتلا ہے، صحیح الفکر قائدین کا فقدان ہے، ماضی قریب میں جتنے قائدین اٹھے وہ سب بے دین اور فاسق تھے اور لیلیٰ اقتدار کے عاشق تھے، انہوں نے اپنے ملک میں استبدادی نظام نافذ کیا، اور مخالفین کو پوری قوت سے کچل ڈالا، وہ مسجدوں میں سجدہ کی اجازت ضرور دیتے تھے، لیکن دین وشریعت کے ایوانِ سیاست میں داخل ہونے کے بالکل روادار نہ تھے، جمال عبد الناصر کی سخت گیر حکومت نے علماء دین کو تختہ دار پر چڑھایا اور مصر میں فرعون کے مجسمے نصب کئے، بد دماغ صدام حسین نے ایران اور کویت سے بے فائدہ جنگ کر کے عراق میں امریکہ کی مداخلت کی راہ ہموار کی، لیبیا کے تاناشاہ معمر القذافی آمر مطلق تھے، اور انہوں نے اپنے بیٹے سیف الاسلام قذافی کو اپنا جانشین بنایا تھا

ور ملک کی دینی جماعتیں ان کے عتاب کا نشانہ بنتی رہی تھی۔ شام میں حافظ الاسد اور بشار الاسد
نے غیر جمہوری حکومت تاحال قائم ہے، بشار الاسد کے باپ حافظ الاسد نے درعا، اور معرۃ
نعمان اور حما میں چالیس ہزار اسلام پسندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور سو سے زائد مساجد
وشہید کیا تھا، اب بشار الاسد کے دامن پر ایک لاکھ مسلمانوں کا خون ہے وہاں نہر فرات کے پانی
طرح مسلمانوں کا خون بہتا ہے اور دنیا خاموشی سے تماشا دیکھتی ہے۔ قتل نامہ پر ایران اور حزب
نے مہر بھی ثبت ہو چکی ہے۔ یمن اور تونس ہر جگہ حکمراں اپنے فولادی اور استبدادی ہاتھوں سے
کو کچلتے رہے تھے۔ اسلام کی تاریخ میں بادشاہت، ملوکیت، ڈکٹیر شپ، مطلق العنانیت اور
استبدادی نظام کے خلاف مختلف عرب ملکوں میں پہلی بار آزادی اور جمہوریت کی تحریک ڈھائی
پہلے شروع ہوئی، یہ ایک عمومی اور عوامی بیداری تھی، سیاسی سطح پر ایک نئی کروٹ تھی یہ ایک نسیم
تھی یہ ایک بادِ خوش خرام تھی، یہ ایک بادِ نو بہار تھی جسے بہار عرب کا نام دیا گیا، یہ نام کسی نے
ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ طویل دور خزاں کے بعد بہار کا موسم آیا تھا، چونکہ جمہوریت اسلام کے
نظام سے قریب تر نظام ہے اس لئے اس کی آمد آمد پر خوشی منانا اور اس کا استقبال کرنا اور
لئے نگاہوں کو فرش راہ کرنا بالکل درست ہے، یہ جمہوریت لاکھوں انسانوں کی دیرینہ تمنا
آرزو تھی، اسی نصب العین کے لئے لوگوں نے قربانیاں دی تھیں۔

انقلابات کی لہر جن عرب ملکوں میں چلی ان میں مصر نے جمہوریت کی جانب اچھی
پیش رفت کی تھی، وہاں انتخابات ہوئے تھے اور پارلیمنٹ کی تشکیل ہوئی تھی، دستور سازی کا مرحلہ
اور دستور کو عوامی ریفرینڈم کے ذریعہ منظور کرایا گیا تھا، اخوان المسلمین کے لوگ الیکشن
سے بڑی جماعت کی حیثیت سے برسراقتدار آئے تھے اس جماعت نے ۲۳۵ سیٹیں
کی پوزیشن حاصل کی تھی، دوسرے نمبر پر بھی ایک دوسری جماعت ''النور'' تھی جس
(۱۲۱) سیٹیں حاصل کی تھیں، یہ تمام باتیں اسلامی نقطۂ نظر سے بہت خوش آئند

تھیں، ایسا لگ رہا تھا کہ صحن چمن میں اسلامی شورائی نظام کے حق میں باد بہار اب چلنے والی ہے، گلشن کا کاروبار چمکنے والا ہے اور چمن پرتوِ خورشید سے معمور ہونے والا ہے، جنھوں نے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ عہد حاضر کے تمام مسلمان مفکرین نے جمہوریت کو اسلامی نظام سے قریب تر نظام قرار دیا ہے اور بہت معمولی ترمیم کے ساتھ اسے اسلامی نظام میں فٹ کیا جاسکتا ہے۔ اخوان المسلمین کے بانی شیخ حسن البناء کی یہی رائے ہے، مشہور عالم ومفکر شیخ یوسف القرضاوی نے اپنی تحریروں میں اسی فکر کا اظہار کیا ہے، مولانا ابو الاعلی مودودی نے انتخابی اور شورائی نظام کی حمایت کی ہے، مولانا ابوالحسن علی ندوی نے طریقہ حکم رانی میں خلافت راشدہ کو اُسوہ بنانے کی تلقین کی ہے۔ تونس کے النہضہ پارٹی کے قائد راشد الغنوشی نے ملوکیت کے بجائے جمہوریت کو صحیح نظام قرار دیا ہے۔ ایران کے روح اللہ خمینی بھی جمہوریت کے حامی ہیں، اور اس کے ساتھ وہ کہنوتی نظام کے بھی قائل ہیں۔ اور یہ مسلک شیعیت کی مجبوری ہے۔ اسلام کے سیاسی نظام کا مطلب ہے تمام مذاہب اور فرقوں کے ساتھ انصاف، سب کے ساتھ مساوات، قانون کی حکم رانی، عوامی جواب دہی، آزادی اور انسانی حقوق، اہل الرائے سے مشاورت اور حاکم کا انتخاب، اسلامی نظام کی یہ ساری قدریں عہد حاضر کی جمہوریت میں بھی پائی جاتی ہیں۔ بدقسمتی سے ان اسلامی قدروں سے سرتابی اور حکم عدولی کی تاریخ مسلمانوں میں اتنی طویل رہی ہے کہ جمہوریت ابھی تک مسلم ملکوں میں پنپ نہیں پائی اور جمہوریت کا پودا ٹھیک سے برگ وبار نہیں لا پاتا ہے کہ وہ بادِ صَرصَر کا شکار ہوجاتا ہے اور خزاں کے ہاتھوں جمہوریت کے پھول مُرجھا جاتے ہیں۔ جمہوریت کی کشتی کے لئے عرب ملکوں میں کوئی بادبان میسر نہیں، یہ کشتی کچھ دیر تک اور کچھ دور تک چلتی ہے کہ پھر ڈکٹیٹر شپ کے ورطۂ گرداب میں غرق ہوجاتی ہے۔ مسلمان تو ریگستان عرب سے دیوار چین تک آباد ہیں لیکن کہیں جمہوری اور شورائی نظام پورے طور پر نافذ العمل نہیں جس کا اسلامی نظام تقاضہ کرتا ہے۔ ہر جگہ ملوکیت کا اور مطلق العنانیت کا موروثی نظام کارفرما ہے، اور اسلام جسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ خلفاء راشدین کے

..نے میں حکومت موروثی نہیں تھی بلکہ انتخابی اور شورائی تھی، خلافت راشدہ کے بعد اسلام کے
سی نظام کی گاڑی پٹری سے اتر گئی تھی اور خلافت کا دور ختم ہوگیا تھا، اور اس سخت گیر اور جابر
موکیت کا آغاز ہوگیا تھا جس کی حضور ﷺ نے پیشین گوئی کی تھی۔

اس وقت مصر ایک آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہوا ہے، ایک طرف اخوان المسلمون
ن کے ہمدرد ہیں جنہوں نے دس دس لاکھ کی ریلی نکالی ہے اور جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ کیا
ہے دوسری طرف جنرل عبد الفتاح السیسی ہیں جنہوں نے پُر امن مظاہرہ کرنے والوں کو فوجی
نت سے خاک وخون میں نہلا دیا ہے، سابق صدر حسنی مبارک کے دور کے باقیات سیئات کو
م کا نظام گوارہ نہیں ہے کچھ خبریں ایسی بھی ملی ہیں کہ فوج کا ایک حصہ عبد الفتاح السیسی کے
قدام سے ناخوش ہے قرین انصاف بات یہ ہے کہ اسے ناخوش ہونا چاہئے ہندوستان میں
سی بھی جمہوری ملک میں کہیں ایسا نہیں ہوتا کہ کسی آرمی چیف نے کسی منتخب صدر کو یا وزیر اعظم
و دھمکی دی ہو یا وارننگ دی ہو لیکن مسلم ملکوں میں ایسا ہوتا ہے اور اگر جمہوری طریقے سے بھی
می انقلاب کی راہ سامنے نظر آتی ہے تو اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں،
جزائر میں جب اسلامک سالویشن کے لوگ جیت کر کے آئے تو انہیں اقتدار سے دور رکھا گیا،
فلسطین میں حماس کے ساتھ بھی یہی پیش آیا، اب مصر میں اور تیونس میں یہی تاریخ دہرائی جارہی
ہے۔ کسی ملک میں جمہوری طریقے سے اسلام پسندوں کو برسر اقتدار آنا اور اسلام کے نظام رحمت
قائم ہونا اور اس کے اثرات کا دنیا میں پھیلنا یقیناً ایک تاریخ ساز اور عہد آفریں واقعہ ہوگا
مریکہ اور مغربی ملک اس کو روکنے کے لئے ہر چیز داؤ پر لگا سکتے ہیں۔

مصر میں صدر محمد مرسی کو ٹھیک سے کام کرنے کا موقع نہیں ملا، ایک سال کے عرصہ میں
ن کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے، مخالف اسلام عناصر جو فوج اور عدلیہ اور انتظامیہ پر حاوی تھے
خوان المسلمین کے اقتدار کو قبول نہ کر سکے، انہوں نے سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا، ارکان
پارلیمنٹ نے جب آئین بنایا تو اس پر ریفرینڈم کرانے میں بھی رکاوٹ ڈالی گئی، اور صدارتی

انتخابات کے دوران منتخب پارلیمنٹ کو تحلیل کرنے کی کوشش کی گئی، ان تمام سازشوں اور مخالف صدر کوششوں اور تمام رکاوٹوں کے باوجود محمد مرسی نے جو کام کیا وہ قابل تذکرہ ہے، حسنی مبارک کے دور میں حکومت دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ گئی تھی، محمد مرسی نے اقتصادی بحران پر قابو پانے کی کوشش کی، ملازمین اور وظیفہ یاب لوگوں کو ۱۵٪ فیصد الاؤنس دیا، عارضی ملازمین کو مستقل طور پر برسر خدمت کیا، انہوں نے دیوان المظالم کا محکمہ قائم کیا جہاں ظلم وزیادتی کے خلاف ہر وقت چارہ جوئی کی جاسکتی تھی۔ پیش رو حکومت کے زمانے سے اسرائیل کو تقریباً مفت جو گیس کی سپلائی ہورہی تھی اسے روکا گیا، مصر میں مساجد میں خطبہ کے لئے جو پہلے سے سرکاری منظوری لی جاتی تھی محمد مرسی نے اس پابندی کو ختم کیا اور ائمہ مساجد کو خطبہ کی آزادی دی، مصر میں مسجدوں کو بحکم سرکار نماز کے بعد بند کردیا جاتا تھا، انہوں نے یہ پابندی ختم کی، انہوں نے سیاحت کے مراکز کو عیاشی کے اڈوں سے پاک کیا، انہوں نے سیاسی قیدیوں کو رہا کیا، انہوں نے مصر کے معاشرے میں تمام طبقات کے درمیان حق اور انصاف سے کام لینے کا اعلان کیا، انہوں نے ملازمین کی تنخواہ میں اضافہ کیا، زراعت وصنعت کے شعبوں کو ترقی دی اور ترکی، قطر، چین اور سعودی عرب سے ان میں سرمایہ کاری کرائی، انہوں نے غزہ کی ناکہ بندی ختم کی، شام کے سلسلہ میں انہوں نے عوام کی حمایت کا اعلان کیا اور اقتدار کی منتقلی پر زور دیا، انہوں نے شام کی ظالم حکومت سے تمام سفارتی تعلقات توڑ لئے، اب مصر کی فوجی حکومت شام کے سلسلہ میں ''یوٹرن'' اختیار کررہی ہے، مصر کی فوجی حکومت نے شام کے ساتھ تعلقات پر نظر ثانی کا اعلان کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ شامی حکومت کے خلاف جہاد کی حمایت ہرگز نہیں کی جائے گی۔ محمد مرسی نے تمام رکاوٹوں کے باوجود کچھ نہ کچھ مثبت اور تعمیری کام انجام دیا۔ عبد الفتاح السیسی نے بزور اقتدار سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے تمام اسلامی چینلس کو بند کردیا اور مصر کا بے دین میڈیا رات دن اس پروپیگنڈے میں مصروف ہے کہ محمد مرسی نے کوئی مفید کام انجام نہیں دیا اور اخوان المسلمین حکومت کرنے کے لائق نہیں ہے۔ اس طرح سے دنیا کی رائے عامہ کو گمراہ کیا جارہا ہے۔

مصر میں اسلام اور جمہوریت کا غنچہ بن کھلے مرجھا گیا، اور وہاں ایسی بادِ صرصر چل رہی ہے جس نے بہار کو خزاں سے بدل دیا ہے، وہاں اب پھولوں پر کانٹوں کے سایے ہیں، یہ سب کیوں ہوا؟ یہ داستان بہت دل گداز غم انگیز اور روح فرسا ہے، اس سازش میں اپنے اور پرائے سب شریک ہیں، اس میں بڑی طاقتوں کا بھی ہاتھ ہے اور وہ صہیونی طاقت بھی اس میں شریک ہیں جس کے ساتھ وہ کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کیا گیا تھا جو اخوان کے دور میں معرض خطر میں تھا، دنیائے اسلام میں اسلام کا نام لینے والی مؤقر شخصیتیں اس سازش میں ملوث تھیں، اور ''چوں کفر از کعبہ برخیزد'' کے مصداق کئی عرب اور مسلم ملک بھی اس میں شامل تھے، صرف دشمن نہیں بلکہ دوست اور آشنا بھی محمد مرسی کی حکومت کا تختہ الٹنے میں ایک دوسرے کے معاون رہے تھے۔ مصر کی دینی جماعت النور نے بھی بے وفائی کی اور مرسی صاحب کو کہنا پڑا کہ ''متفق ہیں فقیہان شہر میرے خلاف''۔

بڑی طاقتوں میں سب سے بڑی طاقت امریکہ کی ہے، امریکہ میں اسلام پسندوں کو دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے، وہ عرب ملکوں میں اسلام کا فروغ اور اسلام پسندوں کا عروج نہیں چاہتا ہے، اس نے اپنے خفیہ ایجنڈے کے مطابق اخوان کی حکومت کو گرانے کے لئے مصر کے ارباب بست وکشاد کو آلہ کار بنایا، جنرل عبدالفتاح سیسی نے حکومت کا تختہ الٹا تھا اور اس واقعہ سے ذرا پہلے ایک خاتون اسرا عبدالفتاح مصری کو امریکہ سے کئی ملین ڈالر ملے تھے، بظاہر یہ امداد جمہوریت کو پائیدار اور مستحکم بنانے کے لئے دی گئی تھی لیکن درِ پردہ اس کا مقصد اسلام پسند عناصر کو اقتدار سے بے دخل کرنا تھا، امریکہ میں فروغ جمہوریت کے لئے مالی امداد ایک روایت رہی ہے اور اس کے لئے وہاں ادارے قائم ہیں، لیکن امریکہ کے نزدیک اور تمام بڑی طاقتوں کے نزدیک جمہوریت سے مراد وہ جمہوریت ہے جس میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہ ہو، اور جو مغرب کی طرز کی جمہوریت ہو، فروغ جمہوریت کی اسی مد میں سے ایک دوسری شخصیت عصمت سادات کو مصر میں اسلام پسندوں کے خلاف فضا بندی اور پروپگنڈے کے لئے کئی ملین ڈالر کی امداد دی گئی، مصر کے سابق کرنل اور پولیس افسر عفیفی کو بھی اس مد سے لاکھوں ڈالر دیئے گئے، بظاہر یہ حاتم

طائی والی سخاوت اور دریا دلی مصر میں جمہوریت کے فروغ کے لئے دی گئی لیکن راز درون خانہ یہ ہے کہ یہ مالی امداد جمہوری طریقہ سے منتخب صدر محمد مرسی کی حکومت کو گرانے کے لئے دی گئی، اس راز درون خانہ کا انکشاف ورجینا یونیورسٹی کے صحافتی تحقیقی ادارے نے کیا، اس نے تفصیلات کو ویب سائٹ پر بھی دے دیا ہے۔ امریکہ نے آج تک یہ اعتراف نہیں کیا ہے کہ مصر میں جو کچھ ہوا وہ فوجی انقلاب ہے کیونکہ اگر امریکہ اسے فوجی انقلاب قرار دے گا تو وہاں کے قانون کے مطابق اسے مالی تعاون سے دست کش ہونا پڑے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کی اندر سے پوری ہمدردی فوجی انقلاب کے ساتھ ہے۔

فارسی کے ایک شعر کا مطلب یہ ہے کہ ''مجھے بے گانوں اور غیروں سے شکوہ نہیں میرے ساتھ ظلم جس نے کیا ہے آشنا نے کیا ہے''۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ برما ہر چہ کرد آں آشنا کرد

غم انگیز حقیقت یہ ہے کہ صدر محمد مرسی کی حکومت کا تختہ الٹنے میں کئی عرب اور اسلامی ملکوں کا بھی رول رہا ہے، ایک رپورٹ کے مطابق سعودی عرب کی حکومت بھی شریک رہی ہے، چنانچہ اسی طرح کی رپورٹ اطلاعات کی بنیاد پر عالم اسلام کے موقر اور معتبر ترین عالم دین علامہ یوسف القرضاوی نے سعودی عرب کو اور جامع ازہر کے شیخ احمد طیب کو قاتلین اخوان میں شمار کیا ہے، اور یہ بات بھی فراموش نہیں ہونی چاہئے کہ حسنی مبارک کے خلاف جب مصر میں انقلاب کی دستک شروع ہوئی تھی تو سعودی عرب کے ''ہیئۃ کبار العلماء'' کی طرف سے یہ فتوی سامنے آیا تھا کہ ''اولوالأمر'' کی اطاعت فرض ہے اور ان کے خلاف خروج جائز نہیں، حالانکہ یہ عدوان وفساد کے علم بردار ہرگز اولوالامر کے دائرہ میں نہیں آتے، سعودی عرب کی اسلامی خدمات سے کسی کو انکار نہیں لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ ملوکیت کا نظام اور اقتدار کا موروثی نظام سعودی حکومت کو بہت عزیز ہے اور اسلام کے سیاسی جمہوری شورائی نظام کو وہ برسرعمل دیکھنا پسند نہیں کرتی ہے، حق بات یہ ہے

کہ حکومت محض ایک انتظامی معاملہ ہے اور اس معاملہ کو کسی فرد یا خاندان کی جاگیر نہیں بنایا جا سکتا، صحیح اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ سعودی عرب نے جنرل عبد الفتاح السیسی کی حمایت کا اعلان کر کے وہی غلطی کی ہے جو ایران نے شام میں بشار الاسد کی حمایت کر کے کی ہے، مصر میں جب اسلامی انقلاب آیا تھا تو ایران نے اس کی پرزور حمایت کی تھی، لیکن یہی اسلامی انقلاب جب شام میں برپا ہونے لگا تو اس نے صرف اور صرف مسلکی عصبیت کی بنا پر بشار الأسد کی طرف داری کی، ایران کا مسلکی ایجنڈا شام، لبنان، عراق اور بحرین تک وسیع ہے، بلکہ سعودی عرب پر بھی اس کی نگاہ ہے کیونکہ اس کے عقیدے کے مطابق جب امام غائب کا ظہور ہو گا تو امام غائب امام مہدی حرم مکی میں آ کر امامت فرمائیں گے، اور ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب اس مسلک کا اقتدار حرمین شریفین تک دراز ہو جائے۔ ایران کے سلسلہ میں ہندوستان کے بعض دینی حلقوں میں بھی بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ ایران وہ ملک ہے جس کے دامن پر شامی مسلمانوں کے قتل کے دھبے ہیں، شام کے قتل عام میں اس کا خونیں پنجہ شریک ہے۔

آبادی کے لحاظ سے مصر عرب دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس ملک نے عرب دنیا کی قیادت کی ہے۔ یہاں بڑے بڑے ادیب اور مصنف پیدا ہوئے، ادبی اور علمی لحاظ سے اسے عالم عرب کا قلب کہا جاتا ہے، سب سے بڑی مسلم آبادی کے ملک مصر میں اخوان المسلمین کے لوگ اسلامی نظام کا نام لینے کی وجہ سے دار و رسن کی آزمائش سے برابر گذرتے رہے ہیں، اگرچہ اس تحریک کو ہر زمانہ میں عوامی مقبولیت حاصل رہی ہے اور وہ سب سے زیادہ قابل احترام اور مقبول خاص و عام جماعت رہی ہے لیکن اس سبد گل کے ساتھ کانٹوں کا معاملہ کیا گیا ہے اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑنے کی کوشش کی گئی ہے، چونکہ روز اول سے اس تحریک کے پیش نظر صالح عادلانہ نظام کا قیام تھا اس لئے مغرب زدہ اور مغرب کے پروردہ لوگوں کے لئے یہ جام جامِ تلخ رہا ہے، سب سے پہلے ۱۹۴۸ء میں اس تحریک کو غیر قانونی قرار دیا گیا اور ہزاروں اخوانیوں کو گرفتار کیا گیا اور اس کے بانی حسن البناء کو شہید کیا گیا پھر جمال عبد الناصر نے اس دینی و اصلاحی تحریک

کو ظلم کا نشانہ بنایا اور ۱۹۶۶ء میں ایک جھوٹے مقدمہ میں سازش قتل کا الزام لگا کر سید قطب اور ان کے ساتھیوں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا، جمال عبد الناصر کی جگہ پر حسنی مبارک چلتے رہے ان کے زمانہ میں اسرائیل کو کوڑی کے دام گیس سپلائی کی جاتی تھی، فلسطینیوں کی ناکہ بندی کی گئی تھی اور ان کی خوراک پر اور دواؤں کی سپلائی پر بھی پابندی عائد کردی گئی تھی، پورے ملک میں ملک کا معاشی استحصال تھا اور انسان کا بنیادی حق پامال تھا، مصر کی حکومت اسرائیل کی خدمت کے لئے وقف تھی اس نے مصر کے ساتھ دوستی کا کیمپ ڈیوڈ معاہدہ بھی کیا تھا۔

ایسے چنگیز صفت اور اسلام دشمن شخص کی حکومت کا تختہ مصر میں الٹا گیا اور اسلام پسند محمد مرسی اپنی جماعت اخوان المسلمین (الاخوان المسلمون) کے ساتھ جمہوری طریقہ سے جیت کر برسر اقتدار آئے تھے۔ مسلم ملکوں کو اور خاص طور سے خادم الحرمین الشریفین کی حکومت کو اس نوزائیدہ اسلامی حکومت کا خیر مقدم کرنا چاہئے تھا، حرم سے نسبت کا ادنی تقاضا یہی تھا، لیکن مصر میں اخوان المسلمین کا اقتدار ان کے لئے سوہان روح بن گیا، کاش ان کی غلط تصویر عالم اسلام کے سامنے نہ آتی آج ہر جگہ احتجاجی جلسوں میں ان کو خادم المجرمین کہا جارہا ہے۔ یہ بے احترامی افسوسناک ہے یہ ہم سب لوگوں کے لئے ایک تکلیف دہ بات ہے، لیکن حق بات یہ ہے کہ خادم الحرمین الشریفین سے ہزار درجہ بہتر ترکی کے وزیر اعظم رجب طیب اردگوان ہوئے جنہوں نے مصر کے فوجی انقلاب کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور مصر کے نائب صدر البرداعی سے ملنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے انہوں نے مصر میں اخوان کے قتل عام پر سیکورٹی کونسل کو ایکشن لینے پر توجہ دلائی، انہوں نے عبد الفتاح السیسی کو شام کے بشار الاسد کی طرح اپنے عوام کا قاتل قرار دیا، مصر کے حوادث میں ان کا موقف بالکل صحیح اور قرین انصاف ہے، علامہ اقبال نے اپنے شعر میں ترکی اور پیر حرم کا جو موازنہ کیا ہے وہ پورے طور پر اس وقت صادق آرہا ہے:

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانان تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

سعودی عرب کی دینی اور ملی خدمات جزیرۃ العرب کی سطح پر بھی اور عالم اسلام کی سطح پر بھی اتنی زیادہ ہیں کہ اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب تصنیف کی جاسکتی ہے، کاش کہ ان سے یہ افسوس ناک غلطی سرزد نہ ہوتی، انہوں نے اخوان کے بجائے عبد الفتاح السیسی کا ساتھ دیا، حالانکہ اخوان صحیح اسلامی فکر رکھنے والے لوگ تھے اور خدا کی شریعت کو نافذ کرنے کا عزم رکھتے تھے، یہ خبریں بھی آئی ہیں کہ سعودی عرب میں حرم شریف کے دو اماموں کو اس قصور پر معزول کیا گیا کہ انہوں نے مصر کی فوجی حکومت کے مظالم کی مذمت کی تھی ہم ہندوستانی مسلمان سعودی عرب کے اس موقف کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں اور نہ ہندوستانی مسلمان کسی جمشید کا ساغر ہیں۔ خادم الحرمین الشریفین نے اپنے موروثی نظام اور ملوکیت کو بچانے کے لئے ایسا کیا ان کے پُرتعیش محلات اور سیم وزر کی ریل پیل نے ان کو صراط مستقیم سے اس حد تک ہٹا دیا ہے کہ انہوں نے اپنے ملک کی دفاع کا ذمہ دار امریکہ کو بنا دیا ہے اور معیشت کی باگ ڈور مغربی ماہرین کے حوالے کردی ہے، اس وقت پوری دنیا میں مصر کے فوجی آمروں کے خلاف جو احتجاج ہو رہا ہے کاش ان کے کانوں تک پہنچتا اور وہ اپنے موقف پر غور کرتے لیکن ”کان ان کے وہ نازک کہ گراں میری غزل بھی“:

نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارند

شام ومصر کی آزمائش کی گھڑی میں اور خاص طور پر اخوانیوں کی مصیبت کے وقت ترکی کا جو صحیح اسلامی موقف سامنے آیا ہے اسے دیکھ کر حضور ﷺ کی یہ حدیث یاد آتی ہے جو مشکوۃ میں موجود ہے اور جسے حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے:

”إذا وقعت الملاحم بعث الله بعثاً من الموالی هم أكرم العرب فرساً وأجود سلاحاً يؤيد الله بهم الدين“

(جب جنگوں اور پر تشدد واقعات کا سلسلہ قائم ہو جائے گا تو اللہ غیر عرب اقوام میں سے ایک قوم کو کھڑا کرے گا وہ شہسواری میں عربوں سے بہتر اور اسلحے میں ان سے برتر ہوں گے،

ان کے ذریعہ اللہ اپنے دین کی مدد کرے گا)۔

لوگوں کے لئے یہ بات بھی باعث تعجب ہوگی کہ مصر کی ''النور'' پارٹی نے جو سلفیوں کی دینی جماعت ہے اسلام پسند محمد مرسی کا ساتھ دینے کے بجائے جنرل عبدالفتاح سیسی کا ساتھ دیا۔

جو غلطی مصر میں جماعت النور نے کی وہی غلطی ہندوستان میں تحریک اسلامی کے علم برداروں سے سرزد ہوئی، ملک شام میں بشار الأسد کے استبدادی نظام کے خلاف جو عوامی انقلاب برپا ہوا اور وہاں کے انقلابیوں نے سرفروشی کی جو بے مثال تاریخ رقم کی ہے اس کے سلسلہ میں جماعت اسلامی کی طرف سے سرد مہری کا رویہ سامنے آیا اور ایران کے خلاف کوئی کلمہ ان کی زبان سے نہیں نکلا، نہی عن المنکر کا فریضہ نہیں ادا کیا گیا، قرآن کے حکم ''ولا ترکنوا إلی الذین ظلموا'' پر عمل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ایران ہی بشار الاسد کا سب سے بڑا حامی، مددگار، پشت پناہ ہے، اور شامیوں کے قتل عام میں شریک ہے، اخوان المسلمین نے تو شام کے انقلاب کی پرجوش حمایت کی تھی لیکن ہندوستان کے جماعت اسلامی کا موقف دوسرا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایران کے سلسلہ میں جماعت نرم گوشہ رکھتی ہے، جماعت کے ترجمان سہ روزہ دعوت میں ایک رکن ادارت کے قلم سے ایک مضمون بھی شائع ہوا تھا جس میں یہ ''بلیغ اور نظر فریب نقطہ نظر'' کو پیش کیا گیا تھا کہ شیعہ مسلمان ہیں اور ایران ایک اسلامی ملک ہے، اس لئے اس کو شام کی برسر اقتدار شیعہ کمیونٹی کی حمایت کا پورا حق ہے، یہ حقیقت مدیر خوش تحریر کے ذہن سے محو ہوگئی کہ شام کے عوام شیعت کے خلاف نہیں کھڑے ہوئے تھے بلکہ غیر اسلامی، غیر جمہوری اور ظالمانہ نظام کے خلاف کھڑے ہوئے تھے، جماعت اسلامی کی دینی اور ملی خدمات آفتاب کی طرح روشن ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ غلطی پر نکیر نہ کی جائے اور زہر ہلال کو قند قرار دیا جائے۔ مولانا جلال الدین عمری جیسے جید عالم دین کی امارت کے زمانہ میں یہ غلطی اور بھی افسوس ناک ہے۔

دین کی دعوت کی راہ پھولوں کی سیج کبھی نہیں رہی ہے۔ یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے، انبیاء کرام کو بھی مخالفوں کے ہاتھ سے پتھر کی چوٹیں برداشت کرنی پڑی ہے اور گالیاں

سننی پڑی ہیں انہیں سخت سزاؤں سے گذرنا پڑا ہے۔ اخوان المسلمین پہلے بھی موجود تھے اور آئندہ بھی موجود رہیں گے مصر میں شاہ فاروق آئے اور چلے گئے لیکن اخوان کی تحریک جو ۱۹۲۹ء میں قائم ہوئی تھی باقی رہی، جنرل نجیب آئے اور چلے گئے اخوان اپنی تمام دینی واصلاحی سرگرمیوں کے ساتھ باقی رہے، پھر جمال عبدالناصر آئے اور انہوں نے الاخوان المسلمون کو ختم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن جمال عبدالناصر کو اللہ تعالی نے اسرائیل کی جنگ میں رسوا کر کے اسلام دشمنی کی سخت سزا دی، اور پھر حسنی مبارک آئے اور انہوں نے بھی اخوان پر مظالم کے پہاڑ توڑے اور اس کی پاداش میں وہ اب جیل کی کوٹھری میں زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔ پایان کار مصر میں اخوان کی فتح ہوگی اور انشاء اللہ اسلام کا بول بالا ہوگا، اقبال کا شعر معمولی تصرف کے ساتھ:

اگر اخوانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے

کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

آخر میں حرفے چند، علماء کرام اور مشائخ عظام کی خدمت میں- مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات- اس وقت عالم اسلام شام ومصر میں جو خون ریزی اور خوں آشامی ہو رہی ہے وہ تاریخ اسلام کے اہم اور غم انگیز حادثات میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ علماء کو یہ اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ دنیا کی بڑی طاقتیں اس کے لئے تو بخوشی راضی ہیں کہ مسلمان مسجدوں میں نماز پڑھیں اور خلوت خانوں میں عبادت کریں لیکن اس کے لئے بالکل تیار نہیں ہیں کہ اسلام ایک سیاسی طاقت کے طور پر منظر عام پر آئے، اگر اس وقت مصر میں اخوان کا خاتمہ کر دیا گیا اور سیاسی اسٹیج بے دینوں کے لئے خالی کر دیا گیا تو پھر اس کے بعد تیونس اور ترکی کی باری ہے اور اس کا مطلب ہے دنیا سے اسلام کی سیاسی قوت کا مکمل خاتمہ، اس وقت شام کے بارے میں ایران مجرم ہے اور مصر کے سلسلہ میں کئی عرب مسلم حکومتیں قصوروار ہیں۔ ہندوستان کے علماء اس پوزیشن میں ہیں کہ صحیح بات کہیں اور حق کا اعلان کریں اور منکر پر نکیر کریں اور ایران سمیت مسلم ممالک سے مؤاخذہ کریں، محض مفادات کی وجہ سے جو عمائدین ملت خاموش رہتے ہیں ان کو اقبال نے اس

طرح مخاطب کیا ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

علماء یہ تو کر سکتے ہیں کہ اپنے اپنے حلقے میں قنوت نازلہ پڑھنے کی تاکید کریں اور دعاؤں کی اپیل کریں۔ اگر شام ومصر کے لاکھوں مسلمانوں کی شہادت پر ان کے دل زخمی نہیں ہیں تو یہ افسوس کی بات ہے، دنیا کے کسی ملک میں کسی مسلمان کے پیر میں کانٹا بھی چبھے تو اس کی کسک ہمیں اپنے دل میں بھی محسوس کرنی چاہئے، اس وقت شام ومصر دونوں جگہ حشر کا منظر ہے اور وہ قیامت آسا وقت ہے کہ گونگے بھی بولنے لگیں اور صامت وساکت پتھر بھی چیخ اٹھیں۔ عالم اسلام کی اسی طرح کی خون ریزی پر فرشتے بھی حضورحق میں اس طرح لب کشا ہونے پر مجبور ہو گئے تھے:

﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ"۔

آیئے ہاتھ اٹھائیں اور دعا کریں:

"اللهم أعز الإسلام والمسلمين، اللهم انصر الإسلام والمسلمين، واخذل الكفرة والفجرة من أهل الكتاب والمشركين، أعدائك وأعداء الدين في الهند وفي أمريكا وفي أفغانستان وفي سوريا وفي مصر وفي فلسطين، وفي كل مكان يا رب العالمين"۔ آمین۔

شام لہو لہو

شام کی صبح درخشاں کب؟

ألا إن نصر الله قريب

شام بھی ہے دھواں دھواں

یادیں آ کے رہ گئیں دل کو کئی کہانیاں

تقریباً تین سال سے ملک شام جل رہا ہے چاروں طرف جور وستم کے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں، ہر طرف آسمان پر سیاہ دھواں اور زمین پر سرخ لہو ہے، پورا ملک جو اپنی دلکشی اور رعنائی کی وجہ سے کوئے یار ہے اب فراز دار سے تبدیل ہو گیا ہے۔ اور دنیا کے مسلمان ہیں کہ ساحل کے تماشائی ہیں، یہ کون سا ملک ہے؟ یہ وہ ملک شام ہے کہ جس کی فضیلت میں ایک نہیں بلکہ متعدد احادیث نبوی موجود ہیں، شام کو حضرت رسالت مآب خیر الانام ﷺ نے "کنانۃ الاسلام" سے تعبیر کیا ہے، یعنی یہ سرزمین اسلام کا اسلحہ خانہ اور قوت وطاقت کا سرچشمہ ہے، لیکن یہ شام جو از روئے حدیث سب کے لئے باعث احترام اور اپنی خوبصورتی میں دنیا کا جلوۂ بام ہے جو حسن وجمال اور خوبی وکمال کا ملک ہے جو دلکشی میں تاج محل یا غالب کی خوبصورت غزل ہے وہ آج لہولہو ہے، گریاں اور ترساں ہے، مسلمانوں کے خون سے اس کی سرزمین اب لالہ زار ہے۔ مشہور مورخ واقدی نے عہد اسلامی میں شام کی تاریخ پر پوری کتاب فتوح الشام کے نام سے لکھ دی، اور اس کا منظوم اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے اور شیخ ناصر الدین البانی نے سرزمین شام کے فضائل ومناقب اور اس سلسلے کی احادیث کو کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے، یہ سرزمین جو انبیاء کرام کے پیغام رسالت کی امین رہی ہے اس پر نصیری اور علوی حکومت کی قہر سامانیوں کی آگ برس رہی ہے، اہل اسلام تک ظلم وستم کی آگ کا اٹھتا ہوا دھواں دیکھ کر دل ہر مسلمان کا اداس اداس ہے اور اس وقت تاریخ اسلام کی بہت سی کہانیاں یاد سی آ کر رہ گئی ہیں۔

شام بھی ہے دھواں دھواں

یادیں آ کے رہ گئیں دل کو کئی کہانیاں

تقریباً تین سال سے ملک شام جل رہا ہے چاروں طرف جور وستم کے آگ کے شعلے بلند ہورہے ہیں، ہر طرف آسمان پر سیاہ دھواں اور زمین پر سرخ لہو ہے، پورا ملک جو اپنی دلکشی اور رعنائی کی وجہ سے کوئے یار ہے اب فراز دار سے تبدیل ہوگیا ہے۔ اور دنیا کے مسلمان ہیں کہ ساحل کے تماشائی ہیں، یہ کون سا ملک ہے؟ یہ وہ ملک شام ہے کہ جس کی فضیلت میں ایک نہیں بلکہ متعدد احادیث نبوی موجود ہیں، شام کو حضرت رسالت مآب خیر الانام ﷺ نے "کنانة الاسلام" سے تعبیر کیا ہے، یعنی یہ سرزمین اسلام کا اسلحہ خانہ اور قوت وطاقت کا سرچشمہ ہے، لیکن یہ شام جو از روئے حدیث سب کے لئے باعث احترام اور اپنی خوبصورتی میں دنیا کا جلوۂ بام ہے جو حسن وجمال اور خوبی وکمال کا ملک ہے جو دلکشی میں تاج محل یا غالب کی خوبصورت غزل ہے وہ آج لہولہو ہے، گریاں اور ترساں ہے، مسلمانوں کے خون سے اس کی سرزمین اب لالہ زار ہے۔ مشہور مورخ واقدی نے عہد اسلامی میں شام کی تاریخ پر پوری کتاب فتوح الشام کے نام سے لکھ دی، اور اس کا منظوم اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے اور شیخ ناصر الدین البانی نے سرزمین شام کے فضائل ومناقب اور اس سلسلے کی احادیث کو کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے، یہ سرزمین جو انبیاء کرام کے پیغام رسالت کی امین رہی ہے اس پر نصیری اور علوی حکومت کی قہرسامانیوں کی آگ برس رہی ہے، اہل اسلام تک ظلم وستم کی آگ کا اٹھتا ہوا دھواں دیکھ کر دل ہر مسلمان کا اداس اداس ہے اور اس وقت تاریخ اسلام کی بہت سی کہانیاں یاد سی آ کر رہ گئی ہیں۔

ہوتا ہے جس سے اسود واحمر میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوش چرخ پیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

حضرت بلالؓ کے مزار کے قریب حضرت عبداللہ بن مکتومؓ کی قبر ہے یہ عہد رسالت میں تہجد کی اذان دیتے تھے۔ الباب الصغیر کے قبرستان میں ایک جگہ اہل بیت کی قبریں بھی ہیں۔ اسی قبرستان میں حضرت معاویہؓ اور ان کی بہن ام حبیبہؓ ام المؤمنین کی قبر بھی ہے۔ شام کی مقدس سرزمین کو بشارالاسد اور اس کے قبیلہ کے ناپاک قدم پامال کر رہے ہیں۔

جس قدر کثیر تعداد میں صحابہ کرام کی قبریں اس دیار میں ہیں کسی اور جگہ نہیں، اس سرزمین میں برکت رکھ دی گئی ہے یہی وہ قدیم شام ہے جس کے لئے قرآن مجید میں "الأرض المقدسة" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور زبان رسالت نے اس سرزمین کے لیے برکت کی دعا فرمائی ہے، "اللھم بارک لنا فی شامنا" (بخاری) اور قرآن مجید میں "بارکنا حولہ" کے الفاظ آئے ہیں جس سے مراد بیت المقدس اور اس کے گردوپیش کے علاقے ہیں، جس میں موجودہ سیریا داخل ہے، شام کے لوگ اپنی شرافت اور نرم خوئی میں ممتاز ہیں، اقبال کی زبان میں:

"خوش دل وگرم اختلاط سادہ وروشن جبیں"

کوئی مسلمان جس کے دل میں نفاق کا مرض نہ ہو وہ شامی مسلمانوں پر بے دین نصیری اور علوی گروہ کے وحشیانہ مظالم سے صرف نظر نہیں کرسکتا، ایسے بھی واقعات پیش آئے ہیں کہ مردوں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے گلے پر اس طرح چھری پھیری گئی ہے جس طرح عید قرباں

میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے یہ قربانیاں ایک دن رنگ لاکر رہیں گی۔ جب بھی اس گروہ کی انسانیت سوز حرکتوں کی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی ہیں اور وہاں ہر طرف دھواں اٹھتا ہوا نظر آتا ہے تو ہمیں تاریخ کی کئی کہانیاں یاد سی آنے لگتی ہیں، یہ خالد بن ولید ہیں جن کا لقب سیف اللہ ہے جنہوں نے ہر معرکہ میں بہادری اور استقامت اور شوق شہادت کا بے مثال نمونہ پیش کیا آج سارا شام جو اسلام کے دامن رحمت کے سائے میں ہے وہ حضرت خالد بن ولید کا زیر بار احسان ہے، حمص کے شہر میں جہاں اسلامی انقلاب کی چنگاری شعلہ بن گئی ہے وہیں اس عظیم سپہ سالار اسلام کی قبر ہے اور راقم سطور کو وہاں جانے کا شرف حاصل ہوا ہے، حضرت خالد بن ولید کے لوح مزار پر یہ قول لکھا ہوا ہے:

''میں سو سے زیادہ معرکہ جنگ میں شریک ہو چکا ہوں میرے جسم کے ہر حصہ پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے نشان ہیں، یہ تقدیر کی بات ہے کہ میں اس وقت بستر مرگ پر جان دے رہا ہوں''۔

تاریخ میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے اور جو آب زر سے بار بار لکھے جانے کے قابل ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے اہل حمص سے جزیہ کی رقم جو پہلے لی گئی تھی اس لئے واپس کردی تھی کہ اہل اسلام جنگ یرموک میں مشغول تھے اور اہل حمص کی حفاظت اور خبر گیری کا ذمہ نہیں لے سکتے تھے، شام دھواں دھواں ہے اور مجھے تاریخ اسلام کی بہت سی کہانیاں یاد آرہی ہیں۔

شام کے بارے میں خبریں جب بھی آئی ہیں تو ہمیں امین الامۃ ابوعبیدہ بن جراح کی یاد آتی ہے کہ دین وسیاست، نرمی وگرمی، قوت ورحمت کا ایسا امتزاج مشکل سے کہیں مل سکے گا۔ ہم نے اخبارات میں خبریں پڑھی ہیں کہ بشارالاسد کی مسلح فوجوں نے اور شبیحہ نے (بغیر یونیفارم کی نقاب پوش فوج) جس میں سب نصیری وعلوی ہیں حمص اور رحماہ میں حکومت کے خلاف مظاہرے میں حصہ لینے کے جرم میں سیکڑوں انسانوں کو گولی مار کر ہلاک کردیا اور لاشوں کے سینے

پر رائفلیں رکھ دیں تا کہ حکومت یہ ثابت کر سکے کہ یہ مسلح دہشت گرد تھے یہ الگ بات ہے کہ کیمرے کی دوربیں اور خورد بیں نگاہوں نے یہ سب حرکتیں رکارڈ کرلی ہیں ابتدا میں مظاہرہ کرنے والے صرف پرامن مظاہرہ کرر ہے تھے، ستر سے زیادہ ایسے شہر اور قصبات ہیں جہاں پرامن مظاہرہ کرنے والوں کو آتشیں ہتھیاروں سے بھون دیا گیا، اور لاشیں بے گور وکفن سڑکوں پر پڑی ہوئی نظر آتی تھیں، شبیحہ میں جتنے کرایہ کے قاتل ہیں وہ سب نصیری اور علوی ہیں جن کے درمیان بہت بڑے پیانہ پر حکومت کی طرف سے اسلحہ تقسیم کئے گئے ہیں، یہی وہ شام کی سرزمین ہے جہاں نہ جانے کتنے احادیث کے روات اور فقہائے امت اور علوم قرآن کے ماہرین اور اہل رشد وہدایت ہوا کرتے تھے، صحابہ کرام میں ایسے لوگوں میں حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابودرداء، حضرت سعد بن عبادہ، اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت دحیہ کلبی اور دوسرے بہت سے صحابہ تھے جن کی قبریں اسی سرزمین میں موجود ہیں جو اب اہل اسلام کے خلاف آہن وآتش کی سرزمین بن چکی ہے، زمانہ حال کے محدثین جیسے شیخ ابوغدہ اور شیخ ناصرالدین البانی اسی سرزمین کے فرزند تھے جو جلاوطنی کی زندگی گذارتے رہے اسی دیار کے خوش نوادیب علی طنطاوی تھے جو حافظ الاسد کے ظلم کی وجہ سے ہمیشہ بے وطن اور پناہ گزیں رہے، اور جب بھی ظلم وسفاکی دلدوز خبریں اخبارات میں شائع ہوتی ہیں تو تصور کے پردے پر تاریخ اسلام کے عہدزریں کے شام اوراس کی شخصیات کی تصویریں ابھرنے لگتی ہیں، بشارالاسد کے بھائی ماہرالاسد کا ایک بیان کویت کے اخبار الوطن نے شائع کیا، انہوں نے کہا کہ میرے باپ حافظ الاسد نے ملک کا اقتدار طاقت کے زور سے حاصل کیا تھا یہ اقتدار ان کو نہ خدانے دیا اور نہ عوام نے، یہ ملحدانہ کلمات اور کفریہ جملے جس شخص کی زبان سے ادا ہوں کیا اس کی حکومت کے خلاف کھڑا ہونا خالص اسلامی جہاد نہیں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ بشار الاسد اور اس کے قبیلے کے دست سفاک نے قبائے انسانیت کو تارتار کردیا ہے۔ یہی وہ سرزمین تھی جہاں اسلامی تاریخ کے پانچویں خلیفہ راشد

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عدل وانصاف سے لبریز بے مثال حکومت قائم تھی دنیا کی پوری تاریخ ان کی جیسی شخصیت کی کوئی مثال نہیں پیش کر سکتی، جن کے تقوی اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب وہ رات کے وقت سرکاری دفتر میں بیٹھ کر حکومت کا کام کاج دیکھتے اور اس وقت کوئی ان کا شناسا کسی غیر سرکاری کام کے لیے ان سے ملنے کے لیے آجاتا تو وہ شمع بجھا دیتے کیوں کہ شمع دان میں جو تیل جل رہا تھا وہ ان کے خیال میں صرف سرکاری کام میں ہی استعمال ہو سکتا تھا، مجھے ذاتی طور پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی قبر پر جانے کا شرف حاصل ہوا ہے، آج اسی سرزمین پر عدل وانصاف کا خون ہو رہا ہے، اور ہمیں شام کی پرانی اسلامی تاریخ یاد آرہی ہے۔

شام کے مسلمانوں نے اس وقت اپنے دین کی خاطر ظلم کے خلاف پنجہ آزمائی کے لیے جتنی قربانیاں دی ہیں اتنی قربانیاں نہ تو مصر کے عوام نے دی ہیں اور نہ تیونس کے عوام نے نہ لیبیا کے عوام نے اور نہ یمن کے عوام نے، ابھی کچھ پہلے جو رمضان کا مہینہ گذرا تھا وہ بیچارگی اور درماندگی کی انتہا کا زمانہ تھا، اس میں ہزاروں مسلمان کے گھر تھے جن کے رہنے والوں کو نہ افطار نصیب تھا نہ سحری، بشارالاسد کی ظالم حکومت نے پوری پوری آبادی کا آب ودانہ بند کر دیا تھا، پانی کی سپلائی روک دی تھی، بجلی کاٹ دی گئی تھی، لوگوں کو وضو تک کا پانی نصیب نہ تھا، جسم زخموں سے چور چور، نہ دوا نہ غذا، ہر گھر میں ماتم اور کہرام، نہ کسی کو راحت وآرام۔ یہ ستم رانی کس سرزمین پر ہو رہی ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں ابن صلاح اور امام ذہبی اور امام ترمذی کی قبریں ہیں، یہ وہ جگہ ہے جہاں ابن خلکان اور ابن عساکر اور ابن کثیر جیسے مؤرخین پیدا ہوئے اور وہیں مدفون بھی ہوئے، اس دمشق سے چالیس میل کے فاصلے پر شارح مسلم اور ریاض الصالحین کے مصنف امام نووی کی ایک تناور، برگ آور، پایدار اور سایہ دار تاریخ دیدہ اور عمر رسیدہ درخت کے سایہ میں قبر ہے، جہاں راقم سطور کو حاضری کا شرف حاصل ہے، دمشق یونیورسٹی کے صحن میں علامہ ابن تیمیہ کی آخری آرام گاہ ہے اور اس سے چند کیلومیٹر کے فاصلہ پر شیخ محی الدین ابن عربی کا مزار مرکز خلائق ہے، علامہ ابن قیم اور صوفیہ کرام میں حضرت ابراہیم ابن ادہم اور ابویزید بسطامی اسی مبارک سرزمین

میں مدفون ہیں، اس پاک اور مقدس سرزمین پر جس کی طہارت اور قدسیت پر قرآن، حدیث گواہ ہیں بشار الاسد اور اس کے فاسق و فاجر گروہ کو حکومت کرنے کا کیا حق ہے؟ یہ علوی و نصیری جو حضرت علیؓ کی الوہیت کے قائل ہیں اور فاسد عقیدہ رکھتے ہیں اپنی عام زندگی میں نماز روزہ سے بالکل نا آشنا ہیں اور اسلام کے تمام شعائر سے بیگانہ ہیں۔ شام کی جامع اموی کا تنہا ایک خوبصورت مینار شہادت کی انگلی کی طرح فضا میں توحید خداوندی کا اعلان کرتا ہے لیکن نصیری علوی حضرت علیؓ کو بھی شریک خداوندی سمجھتے ہیں، ہر روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اخبارات شام کے بارے میں سوہان روح واقعات کی خبریں سامنے پیش کرتے ہیں اور نصیریوں کے مظالم کا ذکر کرتے ہیں تو شام کی عظمت رفتہ ہماری نگاہوں کے سامنے تصور کے پردے پر آ جاتی ہے، ظالم بشار الاسد کے سفاک باپ حافظ الاسد نے ۱۹۸۲ء میں پوری فوجی طاقت سے حماۃ، حمص اور درعا اور معرۃ النعمان اور آس پاس کے شہروں کے عوامی احتجاجات کو کچل کر کے رکھ دیا تھا، چالیس ہزار سے زیادہ اخوان المسلمین کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا، داڑھیاں رکھنے والوں کی داڑھیاں نوچ لی تھیں، برقعہ پوش خواتین کے برقعے نوچ لیے تھے، اور اب پھر ایک بار شامی مسلمان شریفانہ آبرومندانہ باعزت اسلامی زندگی کے لئے موت کی بازی لگا چکے ہیں، ان کے دلوں میں سرفروشی کی تمنا بیدار ہو چکی ہے اور اب اپنی متاع جان تک بے دریغ قربان کر رہے ہیں، راقم سطور کو کئی بار شام جانے کا موقع ملا ہے، پہلا سفر سرکاری طور پر یو. جی سی کی طرف سے تھا اور ہمیں وہاں کے تعلیمی اداروں کو دیکھنے کا موقعہ ملا تھا۔ پورے ملک میں جب سے حافظ الاسد کی اور پھر اس کے بیٹے بشار الاسد کی حکومت قائم ہے ایسی سخت گیری ہے کہ سیرت نبوی کا وہ عوامی جلسہ بھی نہیں ہو سکتا ہے جو ہمارے ملک ہندوستان میں سال بھر اور خصوصاً ربیع الاول کے مہینے میں بڑے پیمانے پر ہر شہر اور ہر آبادی میں منعقد ہوتا ہے، پورے ملک میں کسی دینی جلسہ کی جازت نہیں، ایسی ایمرجنسی نافذ رہی ہے کہ دم گھٹ جائے، یہ شام کی وہی سرزمین ہے جس کی تاریخ میں صلاح الدین ایوبی جیسا شیر اسلام پیدا ہوا، اور جس نے جنگ صلیبی میں عیسائیوں کو

شکست فاش دی تھی اور نوے سال کے بعد جس نے قوت اور شجاعت کے ذریعہ فلسطین اور بیت المقدس کو دوبارہ واپس لے لیا تھا اور اس کے تقدس کو بحال کیا تھا، آج بیت المقدس کی بازیابی کے لیے صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی جیسے جفاکش اور حوصلہ مند فرماں روا کی ضرورت ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ وہاں زمام اقتدار اسلام اور جمہوریت پسندوں کے ہاتھوں میں آئے۔ جب شام بشار الاسد اور علویوں کے خونی پنجے سے آزاد ہوگا تو وہاں سب سے بڑی طاقت اخوان المسلمین کی ہوگی اسے مصر سے بھی زیادہ طاقت حاصل ہوگی یہ وہ جماعت ہے جس کو کسی قیمت پر امریکہ واسرائیل پسند نہیں کر سکتے، امریکہ واسرائیل کسی بھی ایسے شخص کو یا ایسی جماعت کو پسند نہیں کر سکتے ہیں جن کے لہو میں شہادت کا شوق اور جہاد کا جذبہ پایا جاتا ہو، بشار الاسد کی حکومت کی بقا اور استحکام کے امریکہ واسرائیل دونوں دل سے خواہاں ہیں اگرچہ ان کی زبان پر حرف ملامت ہو اور بشار الاسد کے خلاف مذمت کے بیان جاری کیے جارہے ہوں، اور یہ اس لئے کہ یہ دور جمہوریت کا ہے، دل ساتھ دے یا نہ دے زبان سے بہر حال جمہور کی طرفداری کرنی پڑتی ہے اور مغربی طاقتیں اسی لئے شام کے عوامی احتجاج کا ساتھ دے رہی ہیں، اب تو دمشق کے مضافات میں گھمسان کی جنگ جاری ہے اور وہ وقت دور نہیں جب بشار کا حشر بھی وہی ہوگا جو قذافی کا ہوا۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

عرب دنیا میں کئی ملکوں میں انقلاب کی کامیاب کوششیں ہوئی تھیں۔ مصر تیونس اور لیبیا میں ظلم کی شب تاریک اور بیم موج اور گرداب بلا کا دور گذر گیا تھا اور خزاں کا موسم ختم ہو چکا تھا اور وہاں کاروان بہار بظاہر خیمہ زن ہو چکا تھا اور جمہوری طریقہ سے انقلاب پسند اور اسلام پسند برسر اقتدار آئے تھے۔ یہ اسلام پسند گروہ ظالم اور انصاف دشمن حکمرانوں کے بعد ملک کی تعمیر نو اور فکر کی تشکیل نو اور خیر عام اور اصلاح عوام میں کس قدر اب تک کامیاب ہوا ہے یا آئندہ ہوگا اور دینی جماعتیں قائدانہ کردار ادا کرنے میں اور اسلام کا عادلانہ نظام قائم کرنے میں کس قدر کامیاب ہوئی ہیں یا مستقبل میں ہوں گی، پیران حرم کی آستیں میں کوئی ید بیضا ہے کہ نہیں یہ فیصلہ

مستقبل کا مؤرخ کرے گا۔ خیر وعدل پر مبنی حق کا نظام چشم زدن میں قائم نہیں کیا جا سکتا۔ اس راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں جیسا کہ مصر میں ہوا، لیکن بجا طور پر عالم اسلام کی ہمدردی ان انقلابات کے ساتھ ہے کیونکہ بڑی مشکلوں سے اسلامی اقدار اور اسلامی تہذیب کے مخالفین سے اور نظام جاہلیت کے علم برداروں سے اور فرنگی تخیلات کے نقیبوں سے اور مطلق العنان حکمرانوں سے اب جا کر چھٹکارا ملا تھا لیکن مصر میں دوبارہ اسلام دشمن طاقتیں اقتدار میں آنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اسلامی تاریخ میں مطلق العنان حکمرانی اور استبدادی نظام کی روایت تو بہت ملے گی اور خلافت راشدہ کے بعد یہی روایت دراز تر اور مستحکم تر نظر آتی ہے لیکن انقلاب کی اور حکومتوں کا تختہ الٹنے کی کامیاب عوامی کوششوں کی تاریخ کم ملے گی۔

شام انقلاب کے دروازہ پر:

مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ مسلمان بھائیوں کے مسائل سے واقف رہنے کا اہتمام کریں یہاں تک کہ ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو مسلمانوں کے امور سے واقف ہونے اور ان کی پریشانیوں کو دور کرنے کا اہتمام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ اور ملک شام کے سلسلہ میں تو حدیث میں وارد ہے: "وعلیکم بالشام"۔ ملک شام (فلسطین بھی اس میں داخل ہے) سے وابستگی اور اس سے تعلق کی اس حدیث میں تلقین کی گئی ہے۔ اس لئے اس خطہ زمین سے مسلمانوں کی خصوصی وابستگی ہونی چاہئے اور وہاں کے حالات سے واقف رہنا چاہئے۔ کئی عرب ملکوں میں کامیاب انقلاب کے بعد ابھی شام انقلاب کے راستہ پر ہے۔ اور اب انقلاب کی منزل بہت دور نہیں ہے۔ سرکاری فوج اب دفاعی پوزیشن میں آ گئی ہے۔ ددحہ کی حالیہ کانفرنس میں شام کی اپوزیشن متحد ہو چکی ہے اس متحدہ محاذ کے سربراہ جامع اموی کے سابق امام معاذ الخطیب بنائے گئے تھے۔ یہ بہت مقبول اور باوقار شخصیت کے مالک ہیں اور کئی بار جیل بھی جا چکے ہیں اس متحدہ محاذ کے تحت شامی قومی کونسل کے صدر ایک عیسائی جارج صبرا منتخب کئے گئے

تھے اور نائب صدر اخوان المسلمون کے لیڈر۔ بعد میں قیادت میں تبدیلیاں ہوئی ہیں اور اب وہ وقت بہت قریب ہے کہ عبوری حکومت کا اعلان کر دیا جائے گا۔ خلیج کی عرب حکومتوں نے اور کئی پڑوسی عرب حکومتوں نے اور ترکی نے متحدہ محاذ کو شام کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرلیا ہے۔ فرانس اور برطانیہ نے متحدہ محاذ کو شام کی واحد نمائندہ تنظیم مان لیا ہے امریکا نے بھی اسے تسلیم کرنے کا اشارہ دیا ہے۔ فرانسیسی صدر معاذ الخطیب سے آئندہ چند دنوں میں پیرس میں ملاقات کرنے والے ہیں۔ شامی انقلابیوں کیلئے ہتھیاروں کی مدد بھی شروع ہوگی لیکن اس سلسلہ میں مغربی ملکوں میں ذہنی تحفظ پایا جاتا ہے کہ ہتھیاروں کی سپلائی کہیں اس اسرائیل کے خلاف تو نہیں استعمال ہوگی جو مغربی ملکوں کا پروردہ نورِ نظر اور لختِ جگر ہے۔

شام میں انقلاب کی قیادت اخوان المسلمین اور دینی جماعتوں کے ہاتھ میں ہے اوباما کو سب سے زیادہ اسی بات کا اندیشہ ہے کہ یہ ''فنڈا منٹلسٹ'' لوگ ان ہتھیاروں کا استعمال کہیں اسرائیل کے خلاف تو نہیں کریں گے۔ شام میں مزاحمت کاروں کی عسکری اور فوجی مدد کرنے میں امریکہ اور یورپ کا روس کو نیچا دکھانے کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہے اندیشہ یہ کہ یہ ہتھیار انتہا پسند دینی جماعتوں کے ہاتھ لگ جائیں گے۔ اس لئے بظاہر فوراً بڑے پیمانہ پر بھاری اسلحہ شاید فراہم نہیں کیے جائیں گے البتہ ترکی سے کچھ اسلحہ آ سکتے ہیں۔ روس کے وزیر خارجہ نے اس متحدہ اپوزیشن سے جس کی تشکیل دوحہ میں ہوئی ہے کہا ہے وہ بشار الاسد سے بات کرے۔ متحدہ اپوزیشن نے متحدہ طور پر روس کی اس اپیل کو ٹھکرا دیا ہے کہ قاتلوں اور ظالموں سے جنہوں نے ایک لاکھ سے زیادہ انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا ہے بات نہیں کی جاسکتی ہے۔ شام کی فری آرمی اور اپوزیشن نے گذشتہ جمعہ کا نام رکھا تھا ''الزحف إلی دمشق'' اس کی ترجمانی ہوگی دمشق کی جانب اب ''پابجولاں چلو خوں بداماں چلو''۔ اس متحدہ اپوزیشن نے اب تمام بین الاقوامی کمپنیوں اور سفارت خانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ جلد سے جلد اپنے آفس دمشق سے ہٹا لیں۔ اب بہت

جلد "بزن" بولا جانے والا ہے۔اب آخری معرکہ سر کیا جانے والا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اب جلد آخری چٹان ریزہ ریزہ کی جانے والی ہے اب انقلاب کا صور پھونکا جانے والا ہے۔اب مردے بھی اٹھ کھڑے ہوں گے اور انقلاب سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہوں گے۔شام میں عین عید الاضحیٰ کے دن راجدھانی دمشق میں دھماکہ ہوا اور انقلابیوں نے اس دھماکہ سے یہ پیغام دیا کہ ملک شام کے اکثر حصہ پر تو ان کا قبضہ ہو ہی چکا ہے خود راجدھانی بھی ان کے نشانہ اور دست تصرف سے باہر نہیں۔ بشار الاسد کی حکومت کا زوال قریب ہے شام کی زمین اس کے پیروں تلے نکل چکی ہے۔اور اب الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے۔ایران نے اپنی مصلحتوں کی خاطر بشار الاسد کی مدد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اور بشار کو اس نے اپنی مصلحتوں کے لئے قتل عام کا لائسنس دے رکھا تھا۔ایران کی ساری مدد اب بشار الاسد کو بچانے میں ناکام ہو رہی ہے، لیکن ایرانی فوج اور حزب اللہ نے القصیر پر اپنی پوری طاقت صرف کر دی اس کے نتیجہ میں الجیش الحر کو القصیر سے دست کش ہونا پڑا، شام کے اکثر شہروں پر عملا الجیش الحر یعنی آزاد عساکر یا فری آرمی کا قبضہ ہے خود بشار الاسد لاذقیہ کے ساحل سے دمشق تک کا سفر زمینی راستہ سے نہیں کر سکتے ہیں۔صرف فضائی راستہ ان کے لئے باقی رہ گیا ہے شامی حکومت اب صرف اپنی فضائی طاقت پر ٹکی ہوئی ہے۔شام کے علویوں نے بھی سمجھ لیا ہے کہ ان کا مستقبل شام کے عوام کے ساتھ ہے جنہیں مستقبل میں حکومت کرنا ہے۔ بشار الاسد کو علویوں پر بھی اب اعتبار نہیں رہا ہے جب سے قرداحہ میں علویوں نے بشار کے خلاف بغاوت کی ہے اور شامی عوام کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کیا ہے اس وقت سے بشار کا علویوں پر اعتبار ختم ہو گیا ہے۔اب بشار کے حفاظتی دستہ سے علویوں کو ہٹا کر ایران کے پاسداران انقلاب کو متعین کیا گیا ہے شام کی حکومت کا سقوط قریب ہے تازہ خبروں کے مطابق دمشق کا ہوائی اڈہ بھی اب انقلابیوں کے ہاتھ میں آچکا ہے اور کئی عسکری نوعیت کے ہوائی اڈہ پر الجیش الحر کا قبضہ ہے۔اور دمشق میں مزاحمت بہت شدید ہے البتہ سرکاری فوجی

ہوائی جہازوں سے بمباری اور ٹینکوں سے گولہ باری کا سلسلہ جاری ہے اب ہر روز مرنے والوں کی تعداد اوسطاً ڈیڑھ سو ہے، کچھ پہلے ایک دن میں دوسو اکیس شامی عوام سرکاری گولہ باری اور ہوائی جہاز سے بمباری سے شہید ہوئے۔ اب جام شہادت نوش کرنے کیلئے روزانہ لوگ سر سے کفن باندھ کر کے سرفروشانہ نکلتے ہیں۔ کیمیائی ہتھیاروں کے ذریعہ سے شامی فوج نے ایک دن میں تیرہ سو مردوں، عورتوں اور بچوں کو مار دیا۔ اصل مزاحمت کار شامی عوام ہیں لیکن کچھ دوسرے مسلم ملکوں سے بھی جام شہادت نوش کرنے کے بعض آرزومند اور متمنی سر بکف ہوکر ملک شام میں داخل ہوتے ہیں۔ شہادت کی آرزو کرنا اور موت کو گلے لگانا اس دنیا میں صرف اہل ایمان جانتے ہیں اور وہ شہادت کی آرزو لے کر آتے ہیں اور رقصاں اور فرحاں مقتل میں داخل ہوتے ہیں۔ فیض احمد فیض کا یہ شعر ان کے حسب حال ہوتا ہے:

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

شام میں قتل عام:

حیرت ہے کہ ہندوستانی اخبارات میں شام میں سنگین قتل عام کی خبریں نہیں شائع ہو رہی ہیں۔ چھوٹی موٹی کوئی خبر آ جاتی ہے جس سے حالات کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہوسکتا ہے۔ شام میں بشار کی فوجوں اور اس کے غنڈوں یعنی شبیحہ کے ہاتھوں مسلمانوں پر اسی طرح ظلم ہوا ہے جس طرح بوسنیا میں مسلمانوں پر سربیوں کے ہاتھ سے ہوا تھا لیکن اردو اخبارات میں ادارتی عملہ میں خاص قسم کے عناصر کی موجودگی کی وجہ سے ان مظالم کی صحیح تصویر سامنے نہیں آ سکی۔ اس کے علاوہ اردو اخبارات کو غالباً ایک خاص طبقہ کی ریڈر شپ کی رعایت ملحوظ رکھنی پڑتی ہے جو حق پسند کم اور مسلک کا وفادار زیادہ ہے۔ اس سے ہندوستان کی اردو صحافت پر ایران کے واضح اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔ عربی ملکوں کے ٹی وی چینل آسمان سے شامی سرکاری فوجی طیاروں کی بمباری

اور عمارتوں کے انہدام کے مناظر دکھا رہے ہیں عمارت کے ملبہ کے اندر لوگ دبے ہوئے ہیں لاشیں بکھری ہوئی ہیں زخمیوں کی چیخ و پکار عورتوں کی آہ و فغاں اور مکانوں سے اٹھتا ہوا دھواں رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے کئی لاکھ شہری گھروں کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لے چکے ہیں یا زیادہ محفوظ مقامات پر منتقل ہو گئے ہیں۔ اس دلخراش اور دلدوز حالت میں بھی فری آرمی ہر روز کامیابی کی منزل کی طرف قدم بڑھا رہی ہے حلب کے فوجی ایئرپورٹ پر اس کا قبضہ ہو چکا ہے دمشق کے فوجی اڈہ پر گھمسان کا رن پڑ چکا ہے فوجی جہاز کی بمباری سے گرد و نواح میں ہزاروں آدمی شہید ہو چکے ہیں۔ کرنل کیپٹن اور میجر رینک کے افسر اور سیکڑوں فوجی اور متعدد سفیر یہاں تک کہ ملک کے پردھان منتری یعنی وزیر اعظم منحرف ہو چکے ہیں۔ فوج کے جن اعلیٰ ترین افسروں نے راہ فرار اختیار کی ہے ان کی تعداد تقریباً سو ہے یہ تعداد اس سے بہت زیادہ ہو سکتی ہے لیکن فوجی افسر اور ان کے اہل خانہ سخت نگرانی اور حصار میں زندگی گزار رہے ہیں اس لئے منحرف ہونے والے فوجی اپنے پورے خاندان کو خطرہ میں ڈالتے ہیں۔ منحرف ہونے والے فوجی اب حکومت کے خلاف اپنے اسلحہ استعمال کر رہے ہیں اور نوجوانوں کو اسلحہ سازی کی اور اپنے دفاع کی تربیت دے رہے ہیں۔ اس لئے مزاحمت اور مقاومت بہت مضبوط ہو گئی ہے۔ کئی عسکری مقامات اور فوجی چھاؤنیوں پر سے حکومت کے جھنڈے سرنگوں کر دئے گئے ہیں اور بشار الاسد اور حافظ الاسد کی تصویروں کو غضبناک عوام نے جوتوں سے روندا ہے اور قدموں سے پامال کیا ہے۔ اور اب دمشق کی سرکاری عمارتیں دھماکوں سے لرز لرز جاتی ہیں وزیر داخلہ اور وزیر دفاع کے علاوہ بشار الاسد کے برادر نسبتی اور ان کے حقیقی بھائی ماہر الاسد ہلاک ہو چکے ہیں سرکاری فوج میں بغاوت ہو رہی ہے کرنل اور میجر اور کیپٹن کے رینک کے افسر سیکڑوں فوجی اور متعدد سفیر منحرف ہو چکے ہیں اور انقلابیوں سے مل گئے ہیں جو منحرف نہیں ہوئے ہیں وہ علوی یا بشار الاسد کے رشتہ دار ہیں۔ شام کے وزیر اعظم ریاض حجاب بھی منحرف ہو کر دوسرے ملک میں پناہ لے چکے ہیں اور

اب شام کی عدلیہ کا ایک جج بھی انقلابیوں سے مل گیا ہے۔ اور اس نے بڑے مشکل سے اپنے خاندان کو بچایا ہے۔ شامی وزارت خارجہ کے ترجمان جہاد مقدسی نے بھی اب تحویل قبلہ کرلیا ہے، حکومت کا رویہ یہ ہے کہ جو منحرف ہو جاتا ہے اس کا انتقام اس کے پورے خاندان سے لیا جاتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اب تک کئی ہزار افراد منحرف ہو چکے ہوتے۔

سیاسی حل کی کوشش ناکام:

شام کے مسئلہ کو حل کرنے کی ہر کوشش ناکام اور نامراد ہو چکی ہے، اسلامی ملکوں کی تنظیم 'عرب لیگ' اقوام متحدہ سب کوشش کر کے تھک گئے کوفی عنان خائب اور خاسر لوٹ گئے اور آخر میں اخضر ابراہیمی نے مفاہمت کی باگ ڈور سنبھالی تو انہیں اندازہ ہوا کہ منزل دور رات تاریک اور راستہ دشوار ہے اور مصالحت کی کوئی صورت نظر آتی ہے۔ انقلابی اس بشار الاسد سے بات کرنے کے لئے تیار نہیں جس کے ہاتھ ایک لاکھ شہریوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ شکسپیر کے کردار لیڈی میکبتھ کے بقول عرب کی تمام خوشبوئیں مل کر بھی اس کے ہاتھوں کو خوشبودار نہیں بنا سکتی ہیں۔ اقوام متحدہ کے حالیہ اجلاس میں مختلف ملکوں کے سربراہوں نے شام میں قتل عام کی مذمت کی ہے۔ مذمت کے تمام الفاظ بشار کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے امن قائم کرنے میں ناکام ہیں۔ مصالحت اور امن کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے بشار الاسد اقتدار سے دست بردار ہو جائیں کیونکہ انہوں نے ایک لاکھ شہریوں کا ناحق قتل کیا ہے اور ووٹ یا کسی انتخاب کے ذریعہ برسر اقتدار نہیں آئے ہیں۔ بشار کے اقتدار سے دست برداری سے کم پر شامی عوام کسی فارمولہ کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں اور انہیں ہرگز تیار نہیں ہونا چاہئے اور بشار الاسد ہیں کہ اقتدار کی کرسی چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ایران ان کی تائید اور مدد کر رہا ہے۔ ایرانی افواج کے سپہ سالار جعفری اعتراف کر چکے ہیں کہ شامی حکومت کی مدد کے لئے پاسداران انقلاب کے لوگ دمشق میں موجود ہیں۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ شام کے ایک لاکھ عوام کا خون بشار کے ساتھ ایران کی گردن

پر بھی ہے اور ایران نے گویا بشار الاسد کو کہہ دیا ہے ”تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر“، ایران اور اب حزب اللہ شامیوں کے قتل عام میں شریک ہے۔

شام کی شامِ غریباں:

شام نفاست، شرافت، شائستگی، شگفتگی، خوبصورتی اور خوب سیرتی کے اعتبار سے عالم عرب کا ممتاز خطہ ہے، اس خطہ میں ایسے علماء اور صلحاء پیدا ہوئے ہیں کہ اس سِلک گہر کی مثال آسانی سے نہیں ملے گی، یہاں اب بھی بڑی تعداد میں ایسے لوگ ہیں جو محاسن ظاہری و باطنی کا مرقع ہیں۔ اس خوبصورت ملک میں بشار الاسد نے سب سے بڑا ”کارِ خیر“ یہ کیا ہے کہ اسے اجاڑ دیا ہے، پوری پوری آبادی کو خرابے سے بدل دیا ہے، شہر کے شہر مسمار کر دیئے گئے ہیں وہاں پانی اور بجلی اور غلہ اور دواؤں کی فراہمی بند کر دی گئی ہے، بربادی اتنی زیادہ ہے کہ پورے ملک کی تعمیر نو میں پچاس سال سے کم نہیں لگیں گے۔ لاکھوں لوگوں نے ہجرت کی ہے، عورتوں کے ساتھ، چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ، اکثر پا پیادہ، بے سروسامان لرزاں وترساں، کوئی اس سے اندازہ کر سکتا ہے اس قوم کی مظلومیت کا اور بے سروسامانی کا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو برما اور آسام کے مسلمانوں کی بربادی کا غم ہے اور یہ غم بجا طور پر درست ہے لیکن شام کے مسلمانوں پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے گئے ہیں وہ ہزار گنا زیادہ ہیں۔ انسانیت کے غم گساروں کو اس پر چیخ اٹھنا چاہئے تھا۔

چالیس سال کی امرجنسی:

شام کے عوام کا قصور کیا ہے، ان کا قصور یہ ہے کہ وہ آزادی چاہتے ہیں، انصاف چاہتے ہیں، عزت نفس چاہتے ہیں، اس دور جمہوریت میں جمہوریت چاہتے ہیں، مطلق العنان استبدادی نظام سے باہر نکلنا چاہتے ہیں، چالیس سال سے انہیں کچلا گیا اور انہیں غلام بنا کر رکھا گیا۔ ۱۹۸۲ میں آزادی کی تحریک کی اخوان المسلمون نے قیادت کی تھی، اس جرم کی پاداش میں

حافظ الاسد نے چالیس ہزار لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا تھا، حماہ اور حمص کو گنج شہیداں سے تبدیل کر دیا تھا، جس ٹینک بریگیڈ نے اس قتل عام میں حصہ لیا تھا اس کی غالب اکثریت نصیریوں علویوں پر مشتمل تھی، چالیس سال سے مسلسل اس ملک میں ایمرجنسی نافذ رہی ہے، اور عوام کو تحریر وتقریر اور اظہار خیال کی آزادی سے محروم رکھا گیا ہے، جلسوں پر اتنی زیادہ پابندی رہی ہے کہ وہاں کے دیندار عوام اور محبت رسول سے سرشار لوگ سیرت کے جلسوں اور میلاد کی محفلوں کے لئے بھی ترستے رہے ہیں، اور مجبورا گھروں کے اندر باہر کے دروازے بند کر کے اس طرح کی محفلیں منعقد کرتے رہے ہیں۔ فکر محبوس اور زبان پر تعزیریں۔ پورا ملک شام اسی جیل خانہ سے عبارت ہے۔ تاریخ میں کم ایسا ہوا ہے کہ کسی ملک کے عوام نے اپنے دین کے لیے اور آزادی کے لیے ایک لاکھ جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہو۔

چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے:

ہندوستان میں اندرا گاندھی کے زمانہ میں تھوڑی مدت کے لئے ایمرجنسی لوگ برداشت نہ کر سکے اور ملک میں اس کے خلاف طوفان آ گیا تو شام کے عوام غلامی کی زنجیر کب تک برداشت کرتے، برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے، چنانچہ جب تیونس اور مصر میں انقلاب کی کوشش کامیاب ہوگئی علی زین العابدین کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی، حسنی مبارک کو تاج وتخت سے دست بردار ہونا پڑا اور لیبیا کے تاناشاہ کرنل قذافی کا تختہ الٹ دیا گیا، اسی زمانہ میں اہل شام بھی حکومت کے خلاف کھڑے ہوگئے، ابتداء میں ان کے تمام مظاہرے نہایت پرامن تھے، کسی ایک شخص نے بھی ہتھیار نہیں اٹھایا تھا، ابتداء اس طرح ہوئی تھی کہ حمص اور حماہ اور درعا کے چند نوجوانوں نے جن کے باپ دادا کو حافظ الاسد نے ۱۹۸۲ میں شہید کیا تھا اپنی پیشانیوں پر بشار الاسد کے خلاف کچھ نعرے لکھ کر سڑکوں پر آ گئے، بشار الاسد کی ظالم پولیس نے انہیں گرفتار کیا، اور جیلوں میں مار مار کر ان کی کھال ادھیڑ دی، ان کے چہرے بگاڑ دیئے، ناخن اکھاڑ دیئے جب

وہ جیلوں سے باہر آئے تو ان کی کسمپرسی اور بے چارگی پر ان کے والدین، ان کے رشتہ داروں اور ان کے محلہ والوں کو ترس آیا، غصہ کی آگ بھڑکی اور حماہ اور حمص میں مظاہرے ہوئے اور احتجاجی جلسے منظم کئے گئے، یہ سارے احتجاجی جلسے نہایت پر امن تھے اور ان کی ابتداء حمص وحماہ اور درعا سے ہوئی تھی، انقلاب کا مرکز ثقل ابھی تک یہی خطہ ہے، ان مظاہروں کو فوج نے گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیا، درجنوں لوگ مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے، لیکن انقلاب کا لاوا آتش فشاں بن گیا تھا، اور اس نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ انقلاب کی ابتداء اسی طرح سے ہوئی۔ شام میں بڑے پیانہ پر تباہی اور بربادی کے ذمہ دار بشار الاسد ہیں جنہوں نے نہتھے عوام پر گولی چلوائی۔ بشار کے پاس جسمانی اونچائی اور قامت کی بلندی تو بہت زیادہ ہے لیکن عقل کی رسائی اور خردمندی بہت کم ہے۔ اسد خاندان نے شام میں جمہوریت کا گلا گھونٹ دیا ہے اور اس ملک پر فیض احمد فیض کا یہ مصرعہ صادق آتا ہے: ''چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے''۔

بشار الاسد کا ظلم اتنا زیادہ ہے کہ اس کے بارے میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، ساری دنیا باستثنائے روس اور چین اور ایران بشار کی رات دن مذمت کر رہی ہے، نہ بشار کا ضمیر زندہ ہے اور نہ اسے بارشِ سنگ ملامت اور تیرِ دشنام کی پرواہ ہے، اس نے شام کو بلا مبالغہ اپنے باپ کی جاگیر سمجھ رکھا ہے، بشار کے بھائی ماہر الاسد کا پہلے بیان بھی آچکا ہے کہ اس کے باپ حافظ الاسد نے اقتدار اپنے زور بازو سے حاصل کیا تھا، یہ اقتدار نہ خدا نے دیا ہے اور نہ عوام نے اپنے ووٹوں سے اسے بخشا ہے اس لئے وہ خدا اور خلق کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے، ان صریح کفریہ کلمات کے باوجود بھی جو لوگ بشار کی حمایت کر کے اپنی عاقبت خراب کرنا چاہیں تو شوق سے کریں، ایک سچا اور اچھا مسلمان تو مسلم ملک میں اسلامی قانون کا نفاذ چاہتا ہے، اور ایک سچا اور اچھا انسان جمہوریت اور انصاف کی حمایت کرتا ہے، الغرض اسلامی اور جمہوری کسی اعتبار سے بشار الاسد کی حکومت کے باقی اور برقرار رہنے کا جواز نہیں ہے۔ یہ ایران ہے اور حزب اللہ ہے اور ایرانی نواز ہندوستان کے چند اردو اخبارات ہیں جو بشار الاسد کا ساتھ دے رہے ہیں۔

ایران نواز اردو صحافت کا رول:

حیرت اور استعجاب اس پر ہے کہ اردو صحافت کے زمرہ کے بہت سے اہل قلم شام کے بارے میں جب کوئی مضمون رقم کرتے ہیں تو بالواسطہ یا بلاواسطہ شام کے حکمراں بشارالاسد کی حمایت کرتے ہیں، خاص طور پر ہندوستان میں اردو کے وہ بڑے اخبارات جو کئی شہروں سے شائع ہوتے ہیں شام کے سلسلہ میں گمراہ کن تبصرے اور مضامین شائع کرتے رہے ہیں اور اس کے ذمہ دار وہ ایران نواز عناصر ہیں جو اخبارات کے ادارتی عملہ میں شامل ہیں۔ جس تضاد کا ایران شکار ہے اسی تضاد کا یہ صحافی بھی شکار ہیں۔ جب شام کا مسئلہ آتا ہے تو ایران بشارالاسد کے ظالمانہ نظام کا ساتھ دیتا ہے اور یہی موقف ایران کے ہم مسلک ہندوستانی صحافیوں کا ہوتا ہے۔ اور جب بحرین کا مسئلہ آتا ہے تو ایران وہاں حکمراں کے خلاف موقف اختیار کرتا ہے اور اس اکثریت کا ساتھ دیتا ہے جو ایران کا ہم عقیدہ ہے۔ اور یہی موقف ہندوستان کے ایران نواز صحافیوں کا بن جاتا ہے۔ بحرین کے مسئلہ پر انصاف کا نقطہ نظر اختیار کرنے کی بے شک ضرورت ہے، لیکن شام کے مسئلہ سے اسے جوڑنے کی قطعی ضرورت نہیں، شام میں ایک لاکھ سے زیادہ عوام کا قتل ہوا ہے، پچاس ہزار جو ابھی تک لاپتہ ہیں ان کی تعداد الگ ہے۔ حافظ الاسد نے چالیس ہزار مسلمانوں کا جو قتل عام کیا تھا اس تعداد کو بھی اگر شامل کرلیا جائے تو ان سب کا حاصل ضرب تقریباً دولاکھ ان شامی مسلمانوں کا قتل عام ہے جو ملک میں اسلامی اور جمہوری تبدیلی لانے کیلئے بضد رہے ہیں اور اس کے لئے انہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ بحرین میں ایک ہزار تو کیا ایک سو شیعی مسلمانوں کا بھی قتل نہیں ہوا اس لئے شام کے مسئلہ سے بحرین کے مسئلہ کو جوڑنا قطعاً درست نہیں۔ اصولی طور پر یہ بات درست ہے کہ ملک کی اکثریت جو چاہتی ہے اس پر عمل ہونا چاہئے بشرطیکہ یہ اس کی اپنی رائے ہو اور وہ دوسروں کے اشاروں پر عمل نہیں کرتی ہو۔ لیکن بحرین کا مسئلہ بہت سادہ نہیں ہے، بحرین کے اکثریتی شیعی عوام کی نکیل ایران کے ہاتھ

میں ہے۔ عقیدہ کے اعتبار سے بھی ولایت فقیہ کے اصول کے مطابق بحرینی عوام ایران کی مرجعیت کے پابند ہیں یعنی مرجعیت کے حکم کو بجالانا اوران سے سرمو سرتابی نہ کرنا ان کے لئے مذہبی اعتبار سے لازم ہے۔ ولایت فقیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام شیعہ عوام کے لئے ایران کے شیعہ مجتہدین کی سمع واطاعت واجب ہے اور ولایت فقیہ کے منصب پر جو فائز ہے اس کا فرض ہے کہ عالم اسلام کے حکام سے اقتدار چھیننے اور شیعی اقتدار کا سب کو تابعدار بنانے کی کوشش کرے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایران بحرین کے شیعی عوام کے ذریعہ پورے خلیجی ممالک کو غیر مستحکم بنا سکتا ہے اور بحرین تمام سنی المذہب عرب ملکوں کیلیے سازِش کا مرکز بن سکتا ہے۔ عالم عرب کے بعض شیعہ مجتہدین نے ولایت فقیہ کے عقیدہ کے خلاف بغاوت بھی کی ہے لیکن ابھی تک دنیا کی شیعہ برادری ولایت فقیہ کے عقیدہ کو مانتی ہے جسے طاقتور طریقہ سے امام خمینی نے پیش کیا تھا ایں ہمہ عقیدہ ولایت فقیہ اور حرمین شریفین تک توسیعی ارادوں کے علی الرغم یہ ضروری ہے کہ بحرین کے مسئلہ کا کوئی حل نکالا جائے اور اکثریت کے جائز مطالبات کو پورا کیا جائے۔

ہندوستان میں ایران کے بعض ہم مشرب اردو صحافی جب کبھی شام کے مسئلہ پر خامہ فرسائی فرمائیں گے تو ممکن نہیں کہ ان کی رگ شیعیت نہ پھڑ کنے لگے اور وہ زہر افشانی نہ کریں اور مسلک پرستی اور بغض وعناد کا عنصر اس میں شامل نہ ہو جائے۔ مالکین اخبار کو جو اردو نہیں جانتے ان کو اس کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام قارئین انجام دے سکتے ہیں۔ مسلکی جانب داری کی انتہا یہ ہے کہ ایک ایرانی ہم مسلک صحافی نے اردو اخبار میں اداریہ ’’کوفی عنان کے دورہ دمشق‘‘ کے عنوان سے تحریر کیا تھا اور اس میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ کوفی عنان کو چاہئے کہ شامی حکومت کو کہے کہ وہ اپنی فوج اس وقت تک بیرک میں واپس نہ بھیجے جب تک کہ باغی ہتھیار ڈالنے پر رضامند نہ ہو جائیں، بعینہ یہی بات ایرانی صدر جناب خامنئی نے فرمائی کہ اگر شامی عوام اور باغی ہتھیار ڈال دیتے ہیں تو وہ ان کے جائز مطالبات تسلیم کرنے کے لئے بشار پر دباؤ

ڈالیں گے ان کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ پہلے شامی عوام اپنی محکومیت اور غلامی پر راضی ہو جائیں تب ان کے بعض مطالبات کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔شام کے سلسلہ میں اردو کے چند وہ بڑے اخبارات جو بیک وقت کئی شہروں سے شائع ہوتے ہیں مسلسل گمراہ کن شرانگیز غیر معتبر اور غیر مستند مضامین شائع کرتے رہے ہیں تا کہ رائے عامہ بشار اور اس کی ہم نوا ایران کی حکومت کی طرف دار بن جائے۔اردو صحافت کے ایک ایران نواز عنصر کی ایک اور تحریر دل پذیر ملاحظہ کیجئے۔

ایک اردو اخبار کے کالم نگار نے کچھ پہلے رمضان کے مہینہ میں اپنے مضمون میں یہ لکھا:

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر باغی چاہتے کیا ہیں، یہی نہ کہ بشار الاسد کی حکومت کو بے دخل کیا جائے؟ بشار الاسد کو بے دخل بھی اس لئے کیا جائے کہ یہاں جمہوریت قائم کی جائے، تانا شاہیت سے ملک کو آزاد کرایا جائے، اور عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور دی جائے، جیسا کہ مصر میں ہوا، اس لئے یہاں کے باغیوں کو مصر کے ماڈل پر چلنا ہے، مصر کے جمہوریت پسندوں نے تشدد کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ مظاہرے کئے اور بالآخر حسنی مبارک کے چالیس سالہ دور اقتدار کا خاتمہ ہوا''۔

غلط بیانی اور دروغ گوئی ہر حال میں گناہ ہے، لیکن روزہ رکھ کر اور وہ بھی رمضان کے زمانہ میں کسی مسلمان صحافی سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے، اسے کیسے بتایا جائے کہ ''زیر قلمت ہزار جان است'' یعنی ہزار جانیں تیرے قلم کے زیر سایہ ہیں، اس لئے جو لکھو انصاف کے مطابق لکھو۔صحافی کی معلومات تو وسیع اور مستند ہوا کرتی ہیں، کیا مضمون نگار کو یہ خبر نہیں کہ ابتداء میں چھ مہینہ تک شام میں تمام مظاہرے بالکل پر امن تھے، مظاہرین کے پاس تو ہتھیار اس وقت آنے شروع ہوئے ہیں جب بشار کی فوج میں بغاوت شروع ہوئی، اب حالیہ عرصہ میں باہر سے بھی ہتھیار آنے لگے ہیں، کیا ان مظاہروں اور احتجاج کرنے والوں کو اپنے جائز حق کے لئے اور فوج کے ظلم اور سفاکی کو روکنے کے لئے ہتھیار نہیں اٹھانا چاہئے تھا؟ کیا اپنا دفاع کرنا جرم ہے؟

جب پرامن مظاہروں کی گنجائش بھی باقی نہ رہے اور جب فوج خون ریزی پر تلی ہوئی ہو اس وقت اس کے سوا اور کیا چارہ کار باقی رہتا ہے، اس طرح کی گمراہ کن تحریروں کو دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ ''کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں'' ہم کسی پر کوئی الزام تو نہیں لگاتے لیکن ہمیں اس بات کا علم ہے کہ بعض ملک کے بعض سفارت خانے ''دست غیب'' بھی بڑھاتے ہیں اور قاضی الحاجات قسم کے لفافے بھی تقسیم کرتے ہیں ایران کا سفارت خانہ حسب معمول بہت پر جوش اور برسر عمل ہے اور عالم اسلام اور عالم عربی کے دوسرے سفارت خانے حسب معمول خاموش افسردہ دل اور افسردہ دماغ ہیں، شام کے سفارت خانے نے یونیورسٹی کے اساتذہ کو اور بہت سے صحافیوں کو سیریا کا دورہ بھی کرایا تھا اور ان کو مراحم خسروانہ سے نوازا گیا تھا، عرب خلیجی ملکوں کے سفارت خانے یہ انتظام کیوں نہیں کرتے کہ اردو انگریزی کے صحافی شامی پناہ گزینوں کے کیمپ کو جا کر دیکھیں اور ان سے انٹرویو لیں۔ اردو صحافت کے مضمون نگار نے شامی فوج کو مصر کا ماڈل اختیار کرنے کا کیوں نہیں مشورہ دیا، مصر میں میدان تحریر میں فوج نے مظاہرین پر گولی چلانے کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا، بغاوت کے آثار دیکھ کر حسنی مبارک کو استعفا دینا پڑا تھا، لیکن جب نیت ہی میں کھوٹ ہو تو قلم سے جو بھی نقش نکلے گا وہ بس خطوط خم دار کی نمائش بن کر رہ جائے گا اور معروضیت اور انصاف سے اسے دور کا واسطہ نہیں ہوگا۔

اردو کے صحافی تبصرے لکھتے وقت غلط طور پر ایران کے ساتھ شام کو بریکٹ کرتے ہیں اور پڑھنے والوں کے ذہن کو غلط سمت میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، مثال کے طور پر ایک صحافی نے اپنے مضمون کے درمیان یہ جملہ لکھا کہ ''عراق اور افغانستان کی تباہی کے بعد اب شام اور ایران کو برباد کرنے کا خفیہ منصوبہ تیار کیا جا رہا ہے''۔ اس جملہ میں ایران کے ساتھ غلط طور پر شام کا نام لیا گیا ہے، ایران کے خلاف منصوبے واقعی تیار کئے جا رہے ہیں، اور ان منصوبوں کو ناکام بنانے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن شام کا قضیہ ایران سے مختلف ہے، شام کا قضیہ یہ ہے کہ وہاں

عوام ایک سخت گیر جفا کوش استبدادی نظام سے نکلنے کے لئے کسی کے اشارہ پر نہیں بلکہ از خو:
کھڑے ہوئے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ امریکہ نے اس کی حمایت کی ہے اور اب وہ مدد بھی کرر.
ہے، اور شام کی حکومت کی مدد روس، چین اور ایران اور حزب اللہ کر رہا ہے۔ وہ ایران جس نے
اسلام کے نام پر شاہ ایران کا تختہ الٹ دیا تھا وہ ایران جس نے مصر میں حسنی مبارک کے خلاف
اسلام پسندوں کا ساتھ دیا تھا وہی ایران شام میں اسلام پسندوں کا ساتھ نہیں دے رہا ہے کیونکہ و؛
سنی ہیں، ایران شام میں بشار کا ساتھ دے رہا ہے کیونکہ بشار شیعہ ہے اگر چہ کہ فاسد العقیدہ ہے
اباحیت پسند ہے مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ایران کے دامن پر یہ وہ داغ ہے جسے کبھی مٹایا
نہیں جا سکے گا اور جسے اہل سنت سے دشمنی پر ہمیشہ محمول کیا جائے گا، اور اس کی وجہ سے اس کی
اسلام دوستی پر ہمیشہ شبہہ کیا جائے گا، اور یہ بات بھی لوگوں کو یاد آنے لگے گی کہ ایران کے مذہبی
تصور کے اعتبار سے اصل نشانہ خلیجی علاقہ اور جزیرۃ العرب ہے اور اس میں اتنی پیش رفت ہو چکی
ہے کہ عراق اب ایران کے قبضہ میں جا چکا جہاں آج کل ہر ہفتہ دس بارہ سنیوں کو پھانسی دی
جا رہی ہے اور وہاں کے نائب صدر نے پھانسی سے بچنے کیلئے ترکی میں پناہ لے رکھی ہے۔ لبنان
میں شیعیت کی تبلیغ زور شور سے جاری ہے، اور وہاں حسن نصر اللہ اور حزب اللہ کو جو شیعی تنظیم ہے فوجی
قوت حاصل ہے۔ شام میں بشار الاسد کی صورت میں ایران کو قبضہ حاصل ہے اور بحرین پر قبضہ کی
کوشش ہو رہی ہے، یمن میں بھی شیعوں کا ایک طاقتور گروہ ہے جنہیں حوثی کہتے ہیں۔ بہت سے
قارئین کو یہ بات سرسری طور محض خیالی معلوم ہو گی لیکن یہ اندیشہ محض قیاس پر مبنی نہیں ہے۔
شیعیت کی مستند کتابوں میں یہ مذکور اور مسطور ہے کہ امام غائب امام مہدی مستقبل غیر معلوم میں
غار سے نکلنے کے بعد مکہ مکرمہ کا رخ کریں گے اور وہاں بیعت امامت لیں گے اور منکرین (سنی
مسلمانوں) کو قتل کرنے کے بعد مدینہ منورہ آئیں گے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو روضہ کے
اندر کی قبروں سے نکال کر سولی پر چڑھائیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ سب اسی وقت ممکن ہو سکے گا

جب ایران کی شیعی حکومت حجاز تک وسیع ہو جائے گی۔

شام کا انقلاب کسی ملک کے اشارے پر نہیں برپا ہو رہا ہے اس انقلاب کے لئے وہاں کے مظلوم عوام کھڑے ہوئے ہیں۔ آوازیں اٹھتی ہیں اور قلم لکھتے ہیں کہ مصر، تیونس، لیبیا اور شام ہر جگہ ''بہار عرب'' کے پیچھے امریکہ کا ہاتھ ہے، بڑی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں سے انکار نہیں، لیکن آخر امریکہ کا کابوس شعور اور لاشور پر اس قدر کیوں مسلط ہے کہ لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ان ملکوں کے مظلوموں کے پاس بھی غیرت اور حمیت ہو سکتی ہے اور وہ خود بھی ان ظالم حکمرانوں کے خلاف کھڑے ہو سکتے ہیں جنہوں نے غیر دستوری اور غیر جمہوری طریقہ سے اقتدار پر قبضہ کیا ہے اور ان پر ظلم کیا ہے اور ان کی آزادیوں کو سلب کیا ہے اور ان کو غربت اور فقر میں گرفتار کیا ہے اور عوام کے سرمایہ کو ذاتی ملکیت بنایا ہے۔ مسلم معاشرہ کا یہ عجیب وغریب مزاج بن گیا ہے کہ ہر معاملہ میں صرف یورپ اور امریکا کو مورد الزام ٹھرالیا جاتا ہے یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ مصر وشام، تیونس اور لیبیا ہر جگہ کے انقلاب کے پیچھے امریکہ کا پراسرار ہاتھ کام کر رہا ہے، مسلمانوں کا یہ ایسا تکیہ کلام ہے جسے فراٹے کے ساتھ تمام مسلمان دہراتے رہتے ہیں۔ امریکا اس ملک سے دشمنی کرتا ہے جو اسرائیل کا دشمن ہو، اسرائیل کو اس شام سے کوئی خطرہ نہیں تھا جس نے گوان کی پہاڑیوں کو تحفہ میں پیش کر دیا ہو اور اس کی بازیابی کی کوئی کوشش نہ کی ہو۔

شام کی آج کی صورت حال کل سے مختلف ہے، شام میں صبح وشام اس قدر رست وخیز ہے اور حالات کی تبدیلی کی رفتار اتنی تیز ہے کہ ہر آنے والا دن گذرے ہوئے دن سے تقریبا مختلف ہوتا ہے، جو بات اب طے شدہ ہے وہ یہ ہے کہ بشار کا آفتاب اقبال لب بام آچکا ہے، لیکن اب بھی یہ پیشن گوئی نہیں کی جاسکتی کہ یہ آفتاب ذلت اور نکبت کے اندھیرے میں کب ڈوب جائے گا، اور اس کے اقتدار کا سفینہ کہاں اور کب غرق ہوگا، ہر دن جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو یہ خبر آتی ہے کہ فلاں اور فلاں شہر کو کھنڈر بنا دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ خوش خبری بھی ملتی

ہے کہ اتنے اور اتنے فوجی کمانڈر منحرف ہو گئے، اور کئی ملکوں کے سفیروں نے بشار سے اپنی وفاداری منقطع کرلی۔ ہر روز کا اخبار بشار کی فوج کی نئی ستم رانیوں اور انقلابیوں کی آزاد فوج کی نئی پیش قدمیوں کی خبر لاتا ہے، ان سطور کی تحریر کے وقت راقم کو اہل شام کے ذرائع سے جو خبریں مل رہی ہیں وہ یہ ہے کہ حلب اور دمشق کا ایئر پورٹ بھی پورے طور پر حکومت کے قبضہ میں نہیں ہے وہ کبھی انقلابیوں کے قبضہ میں چلا جاتا ہے اور کبھی حکومت کی وفادار فوج کے قبضہ میں آجاتا ہے، حلب کے فوجی ایر پورٹ پر بھی انقلابیوں کے قبضہ کی خبریں آرہی ہیں اور اب بشار الاسد اپنے قریب ترین ساتھیوں اور وزیر دفاع اور وزیر داخلہ جیسی شخصیتوں اور اپنے حقیقی بھائی ماہر الاسد کی ہلاکت کے بعد شکست خوردہ نفسیات کے ساتھ زیادہ تر ساحلی شہر لاذقیہ میں فروکش ہیں جہاں اسلحہ سے لیس روسی جہاز کھڑے ہوئے ہیں اور وہ صرف خاص موقع پر دمشق آتے ہیں۔ بشار کے اپنے گھر کا حال یہ ہے کہ ان کی حقیقی بہن نے دبئی میں پناہ لے رکھی ہے۔ سچ پوچھئے تو سیریا میں حقیقی اقتدار اب ایران کا ہے سیریا کی نکیل اسی کے ہاتھ میں ہے۔ بشار کا ساتھ دے کر ایران اور حزب اللہ نے اپنی عزت اور نیک نامی کو داؤں پر لگا رکھا ہے۔ ایران نے ہمیشہ کے لیے اپنی عزت کھودی ہے۔

تازہ صورت حال:

اس وقت شام میں معرکہ کارزار برپا ہے، نہ ابھی پورے طور پر حکومت کی ہار ہوئی ہے اور نہ اپوزیشن کو فتح حاصل ہوئی ہے، روزانہ تقریباً دو سو آدمی عورتوں اور بچوں کے ساتھ ہلاک ہو رہے ہیں۔ یہ جنگ طویل بھی ہو سکتی ہے، اور ابھی بہت زیادہ خون خرابہ اور قتل عام ہو سکتا ہے، بڑی طاقتیں اپنے ذرائع سے انقلابیوں کی مدد تو کر رہی ہیں لیکن انہیں ایسے ہتھیار نہیں فراہم کر رہی ہیں جن سے وہ شامی فوج کے بھاری اسلحہ کا اور فوجی جہازوں کا مقابلہ کر سکیں، غالباً بڑی طاقتوں کی مصلحت اس میں ہے کہ جنگ طویل ہو اور انقلابیوں کو فتح اس وقت حاصل ہو جب پورا شام تہس نہس ہو چکا ہو، سارے شہر کھنڈر میں تبدیل ہو چکے ہوں تاکہ یہ انقلابی جن میں بہت

بڑی تعداد اخوانیوں کی اور دینی جماعتوں کی ہے اقتدار میں جب آئیں تو ان کو ملک کی تعمیر نو میں بیسیوں سال لگ جائیں اور وہ امریکہ اور اسرائیل کے مفادات پر ضرب لگانے کی پوزیشن میں نہ ہوں، یہ دیر اس لئے ہو رہی ہے کہ امریکہ کو ابھی تک ایسا متبادل نہیں مل سکا ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار وہ منتقل کر کے اپنے اور اسرائیل کے مفادات کی حفاظت کر سکے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ شام میں اگر منصفانہ انتخابات ہوئے تو اخوان برسر اقتدار آئیں گے اور مصر سے زیادہ طاقت کے ساتھ برسر اقتدار آئیں گے، اور اسرائیل کے وزیر خارجہ کا یہ بیان آ چکا ہے کہ مشرق وسطی میں اخوانیوں کا برسر اقتدار آنا اسرائیل کے مفاد میں نہیں ہے۔ اس لیے اسرائیل مصر کے منتخب صدر محمد مرسی کو ہٹانے کی سازش میں شریک ہے اور امریکہ نے بھی اس کا ساتھ دیا ہے۔ اسرائیل کی ہمدردی بشار الاسد کے ساتھ ہے جس نے اسرائیل سے کبھی جولان کی پہاڑیوں کو واپس لینے کی کوشش نہیں کی اور کبھی اس کی ہمت ہی نہیں کی۔ ان پہاڑیوں کو واپس لینے کی کوشش کے بجائے وہ ہمیشہ اپنے ہی عوام کو کچلتا رہا اور روس اور ایران سے حاصل کئے ہوئے اسلحہ سے اپنے ہی عوام کو اب تک نشانہ بناتا رہا۔ ٹینکوں اور توپوں اور فوجی طیاروں سے اس نے چار ملین مکانات کو منہدم کر دیا اور ایک لاکھ انسانوں کو موت کے آغوش میں سلا دیا، اور یہ سب کچھ صرف اپنے اقتدار کی خاطر اور صرف اپنی کرسی کے لئے اور اپنے علوی خاندان کے بقا کے لئے کر رہا ہے۔

اسد خاندان گولان کی پہاڑیوں سے دست بردار:

شام کی جدوجہد اور حکومت کے خلاف کشمکش درحقیقت شامی عوام کے دل بیتاب اور چشم پر آب کا کرشمہ ہے، یہ سرفروشی کی تمنا ہے جس نے بشار الاسد کی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا ہے، یہ بادہ حریت کا نشہ ہے جس سے سرشار ہو کر رندان قدح خوار بے کردار ساقی کو بے دخل کرنے اور میکدہ کا نظام بدلنے پر تلے ہوئے ہیں، موج خون ان کے سروں پر سے گذر رہی ہے لیکن صبر واستقلال کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کے وہ روادار نہیں ہیں۔ وہ چالیس سالہ نظام استبداد کا اور

ظالمانہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں، اس دور کی جمہوری قدروں کے اعتبار سے بھی ان کو اس کا پورا حق ہے، اور اسلامی قدروں کے اعتبار سے بھی اس کا پورا جواز موجود ہے۔ اس کے باوجود اردو صحافت کے میدان کے اہل قلم کی چشم غلط بیں حافظ الاسد اور بشار الاسد کی قہرمانیوں کی طرف سے صرف نظر کر لیتی ہے اور جائز اور درست انقلاب کی کوششوں کو بغاوت جارحیت اور دہشت گردی قرار دیتی ہے اور خواہ مخواہ شام کے معاملہ کو ایران کے ساتھ بریکیٹ کرتی ہے اور اسرائلی حملہ کا خوف دلاتی ہے حالانکہ حافظ الاسد اور بشار الاسد دونوں میں سے کسی نے گولان کی پہاڑیوں کی بازیابی کے لئے آج تک کبھی کوئی معمولی قدم بھی نہیں اٹھایا اور اس کے لئے ایک گولی بھی کبھی نہیں چلائی۔ ایک بار پر جوش اخوانی نوجوان جب گولان کی پہاڑیوں کی طرف بڑھے تھے تو ان سب کو فوراً گرفتار کر لیا گیا اور پس دیوار زنداں ڈال دیا گیا۔ حزب اللہ نے ۲۰۰۶ کے بعد کبھی اسرائیل پر کوئی میزائیل نہیں پھیکا، گیدڑ بھبکی سے کام بہت لیا تقریریں بہت کیں۔ اس وقت گولان کی پہاڑیوں کے قریب قنیطرہ اور اس کے گرد و نواح پر انقلابیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور شاید یہیں سے دمشق کی جانب فاتحانہ کوچ شروع ہوگا حکومت نے دمشق جانے والے تمام راستوں کو مکمل طور پر مسدود کر دیا ہے اور صرف ایک دو راستے کھلے رکھے ہیں جو زبردست اسلحے کے ساتھ فوج کی نگرانی میں ہیں۔ گویا کوچہ قاتل کے سوا تمام راستے بند کر دئے گئے ہیں، اور دمشق کے اطراف پر زبردست کارپٹ بمباری کی جارہی ہے، خواتین، بچے، بوڑھے، عمارتوں کے ملبے کے نیچے دب کر مر رہے ہیں۔ دشمن اسرائیل پر بشار کا کوئی زور نہ چل سکا ایک فائر بھی اس پر وہ نہ کر سکا، البتہ اپنی کرسی کی خاطر نہتے لوگوں کو اور اپنے عوام کو وہ تباہ اور برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ بقول فارسی شاعر:

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ایسی کمزور، بزدل اور بے دین شامی حکومت سے اسرائیل کے خلاف لڑنے اور بیت المقدس کی بازیابی کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔اسرائیل کا مقابلہ اسلام پسندوں کی حکومت ہی کرسکتی ہے۔ترکی میں جب اسلام پسند برسراقتدار آئے تو انہوں نے اسرائیل کی خلاف اسٹینڈ لیا۔یہ کام اسلام پسند ہی کرسکتے ہیں چاہے وہ ایران میں برسراقتدار ہوں یا شام میں یا مصر میں کیونکہ بیت المقدس کی بازیابی کی ان ہی کو زیادہ فکر ہوسکتی ہے،اس لیے مصر میں محمد مرسی کی حکومت کا تختہ الٹا گیا ہے اور دوبارہ بے دین اور اباحیت پسند لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار دے دیا گیا ہے، حالانکہ سیکولر اور بے دین استبدادی نظام کا تجربہ ناکام ہوچکا ہے۔بشارالاسد کی سات پشت بھی بیت المقدس کی بازیابی کے بارے میں سوچ نہیں سکتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ شام کے انقلابی شام کی صحیح دینی اسلامی شناخت کی بحالی کی جدوجہد کررہے ہیں وہ شناخت جسے وہاں کی برسراقتدار بعث پارٹی نے ختم کردیا تھا اور ملک کو بے راہ روی کی راہ پر ڈال دیا تھا اس کے لئے شامیوں نے جو قربانیاں دی ہیں تاریخ انہیں یاد رکھے گی اور انہیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے:

عمریست کہ افسانہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار ورسن را

ایران نے پہلے مصر میں انقلاب کا ساتھ دیا، اور اسے اسلامی انقلاب قرار دیا اس نے تیونس اور لیبیا میں بھی انقلاب کی حمایت کی تھی اب اس کی حق پرستی کو کیا ہوگیا ہے کہ اپنی مصلحتوں کی وجہ سے اور دوستی اور دوست داری کا خیال کرکے اور مسلکی تعصب کی بناء پر بشارالاسد کے ظالمانہ نظام کا اس نے ساتھ دیا ہے، اور ظلم کے خلاف کھڑے ہونے والے شامی عوام پر مغربی سازش کا آلہ کار ہونے کا وہ الزام عائد کررہا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ایران بری طرح تضاد کا شکار ہوگیا ہے اس تضاد کو چھپانے کے لئے وہ یہ سفید جھوٹ بول رہا ہے کہ شام میں جو کچھ ہورہا ہے وہ باہر سے آئے ہوئے کرایہ کے فوجی انجام دے رہے ہیں ورنہ شام کے عوام تو دل وجان سے بشار

کے ساتھ ہیں۔ یہ بیان کسی اور کا نہیں بلکہ حج اور دینی امور کے ایرانی سربراہ حجۃ الاسلام قاضی سید علی عسکر کا ہے (افکار ملی نومبر ۲۰۱۲)، اتنا سفید جھوٹ اور وہ بھی حج اور دینی امور کے سربراہ کی زبان سے۔ چون کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ ایران کا یہ کردار اس قدر داغ دار اتنا غلط اور فریب انگیز ہے کہ اس بناء پر اس کی اسلامیت مشکوک ہوگئی ہے۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کو اسلام اور عالم اسلام کا مفاد نہیں بلکہ شیعیت کا مفاد عزیز ہے اور ایرانی انقلاب کا نعرہ ''لا سنیۃ ولا شیعیۃ'' ایک فریب کاری دسیسہ کاری اور دجل و تلبیس سے زیادہ نہیں۔ ایران اور حزب اللہ دونوں کو اس بے کرداری کی قیمت چکانی پڑے گی اور اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، جب سے حزب اللہ کے فوجی شام میں انقلابیوں کے اسیر بنے ہیں حسن نصر اللہ کی زبان بند ہوگئی ہے اور لبنان میں وسام حسن کے قتل کے بعد ان کی مقبولیت خاک میں مل گئی ہے۔ حزب اللہ کی فوج حمص میں شامیوں کے قتل عام میں شریک رہی ہے اس لئے بشار کی اس سفاکانہ ظالمانہ پالیسی کی وجہ سے فلسطینیوں نے بشار اور ایران کا ساتھ چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے شام میں فلسطینیوں کو خاص طور پر ظلم کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ حماس کے تمام دفاتر کو بند کر کے ان پر مہر لگا دی گئی ہے۔ اب فلسطینیوں کے لیڈر اسماعیل ہنیہ اور خالد مشعل ہیں حسن نصر اللہ نہیں۔ اور ابھی غزہ میں اسرائیل کی جارحیت کا جو تازہ واقعہ پیش آیا ہے جس میں فلسطینیوں کا جانی نقصان ہوا ہے اور جوابی کاروائی کے طور پر غزہ سے اسرائیل کی جانب میزائیل پھینکے گئے ہیں اس پوری کاروائی میں بھی حسن نصر اللہ اور حزب اللہ کا کوئی رول نہیں ہے انہوں نے لبنان سے ایک میزائیل بھی نہیں پھیکا۔ حزب اللہ اور ایران کی فوج کھلم کھلا بشار الاسد کا ساتھ دے رہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں الجیش الحر کے پاس طاقتور ہتھیار بالکل نہیں ہیں لیکن ایمانی جذبہ ہے۔

شاید ہمارے قارئین کے لئے یہ بہت بڑا انکشاف ہوگا کہ ایران کا بشار الاسد کی حمایت کا موقف تمام اہل ایران کا موقف نہیں ہے، راقم نے عرب چینل پر ایران کے کئی شیعہ علماء

کے بیانات سنے ہیں ان کا کہنا ہے کہ بشار کی حمایت کا ایران کا یہ موقف صرف احمدی نجاد اور ان کے ہم نوا لوگوں کا موقف ہے، ایران میں بہت بڑی تعداد میں ایسے علماء ہیں جو مرجعیت کا مرتبہ رکھتے ہیں جو بشار کے مخالف اور شامی عوام کے طرف دار ہیں۔ لیکن ان کا موقف دنیا والوں کے سامنے نہیں آسکا اور ان کی آواز مسموع نہیں ہوسکی۔ اور یہ بات اس لئے درست ہے کہ واقعہ کربلا کا سبق یہ ہے کہ ہمیشہ مظلوم کا اور حق کا ساتھ دیا جائے نہ کہ ظالم کا اور ناحق کا۔ اور حق یہ ہے کہ حق اہل شام کے ساتھ ہے جو مظلوم ہیں اور وہی حمایت کے مستحق ہیں، مصر کے صدر محمد مرسی نے بھی اس سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار حال ہی میں قاہرہ میں کیا تھا اس لیے بشار الاسد نے محمد مرسی کے معزول کئے جانے پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ اس لئے شیعہ علماء کا موقف جو سامنے نہ آسکا وہی درست اور اصولی موقف ہے، احمدی نجاد کا موقف جو سب کے سامنے ہے جو بشار الاسد کی حمایت اور مدد کا موقف ہے یہ وہ سیاست ہے جو سراسر غیر اسلامی ہے، غیر دینی ہے، یہ امام حسین کی پیروی کی بجائے اس یزید کی پیروی ہے جو ظالم تھا، خون آشام تھا، جفا پیشہ تھا اور جس کی بدکرداری پر پوری امت متفق ہے، احمدی نجاد نے نادانستہ طور پر اور غیر شعوری طور پر ہی سہی صحیح اور اصولی شیعی موقف سے انحراف کا راستہ اختیار کیا ہے، یہ سیاست کی دنیا ہے جو ''سود وسودا مکر وفن'' سے عبارت ہے، احمدی نجاد کے موقف کو شیعی موقف نہیں سمجھنا چاہئے۔ احمدی نجاد کو اور وہاں کے روحانی رہنما خانمائی صاحب کو اپنے موقف کی کمزوری کا احساس ہے اسی لئے مکہ معظمہ کی حالیہ اسلامی کانفرنس میں احمدی نجاد ایران کے مسئلہ پر خاموش رہے اور اب تہران میں نا وابستہ ممالک کی چوٹی کانفرنس میں بھی مصر کے صدر محمد مرسی نے شام کی حکومت کو ظالم اور خونخوار قرار دیا لیکن ایران کے لبوں پر وہاں بھی شام کے سلسلہ میں معنی خیز مہر سکوت ہی رہی۔ لیکن اب حال میں ایران کے صدر کا بیان آیا ہے کہ شام کے باغیوں کو چاہئے کہ ہتھیار ڈال دیں اس کے بعد ہی ایران شام پر دباؤ ڈالے گا کہ شام کے جائز مطالبوں کو قبول کرلیا جائے۔ ایران کا یہ بیان اس

بات کا عکاس ہے کہ شامی صدر بشار الاسد کو اپنے موقف پر جمانے اور پیچھے نہ ہٹنے دینے میں ایران کا ہاتھ ضرور ہے۔ اور شامی فوج کی پوری پوری مدد بھی ایران کی طرف سے ہو رہی ہے۔ ایرانی فوجی اور پاسداران انقلاب کے لوگ بشار الاسد کی پوری پوری مدد کر رہے ہیں۔

کچھ دنوں پہلے تہران میں ناوابستہ ممالک کی چوٹی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس کے سلسلہ کی بے حد دلچسپ اور عجیب وغریب خبر یہ تھی کہ افتتاحی جلسہ میں جب صدر محمد مرسی اپنی تقریر میں یہ کہہ رہے تھے فلسطینی عوام اور سیریا کے عوام اپنے جائز حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں تو اس اہم ترین چوٹی کانفرنس کے ایرانی فارسی مترجم برجستہ یہ ترجمہ کر رہے تھے کہ ''فلسطینی عوام اور بحرین کے عوام اپنے جائز حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں؛ الجزیرہ ٹی وی نے یہ الزام لگایا ہے کہ ایرانی مترجمین نے جان بوجھ کر یہ غلط ترجمے نشر کئے ہیں کیونکہ لفظ سیریا کا ترجمہ بحرین ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ ترجمہ میں خیانت کی دوسری مثال یہ ہے کہ محمد مرسی نے اپنی تقریر کی ابتداء میں جب حمد وثناء کے الفاظ کہے اور نبی ﷺ کے آل اور اصحاب کی ثناء کی تو ایرانی مترجمین نے حمد وثناء کا ترجمہ کیا لیکن اصحاب کے لفظ کا ترجمہ نہیں کیا۔ اردو اخبارات میں یہ خبریں نہیں آئیں کیونکہ وہ پی ٹی آئی اور یو این آئی پر مکمل طور پر انحصار کرتے ہیں یہ دلچسپ خبریں الجزیرہ اور العربیۃ سے مسلسل نشر ہوتی رہی ہیں۔ الجزیرہ نے محمد مرسی کی عربی تقریر بھی سنائی اور اس کا فارسی ترجمہ جو کانفرنس ہال میں اور باہر ٹی وی سے نشر کیا گیا وہ بھی سنایا۔ محمد مرسی شاید بزبان حال یہ کہہ رہے ہوں:

بھیجا تھا کہنے حال دل اپنا بچشم تر انہیں
قاصد سے ان کے رو برو بات بدل بدل گئی

اب انقلاب کی تکمیل کا مرحلہ:

خلاصہ یہ کہ یہ ناوابستہ چوٹی کانفرنس اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور دوسری کوششیں

بھی شام کے مسئلہ کا حل اور درد کا درماں تلاش کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ جمہوریت شام کا واحد حل ہے۔ کچھ پہلے دوحہ میں متحدہ محاذ کی تشکیل بھی عمل میں آ گئی ہے جس میں شام کی اپوزیشن کی تمام جماعتیں شامل ہیں یہ گویا شام کی عبوری حکومت کی تشکیل کی جانب پیش رفت ہے۔ شام میں منصفانہ انتخاب یعنی الیکشن ہونا چاہیے اس الیکشن میں وہاں کی برسر اقتدار بعث پارٹی بھی شریک ہوسکتی ہے بہت سی پارٹیاں نظریاتی بنیادوں پر الیکشن میں حصہ لے سکتی ہیں جیسے ہندوستان میں ہوتا ہے لیکن یہ الیکشن بشار اسد کے ہٹنے کے بعد ہونا چاہیے ورنہ یہ انتخابات منصفانہ نہیں ہوں گے۔ بظاہر لگتا ہے کہ اب الجیش الحر یعنی انقلابیوں کی فوج اور بشار کی فوج ہی مسئلہ کو حل کرے گی۔ کوئی ایک فاتح ہوگا اور دوسرا مفتوح۔ ایک کے پاس سرفروشی کی تمنا ہے دوسرے کے پاس سرکوبی کا ارادہ ہے۔ ایک کے پاس آزادی کا عزم بے پایاں ہے دوسرے کے پاس اقتدار کا شوق فراواں ہے۔ ایک کے پاس شہادت کا شوق ہے دوسرے کے پاس ظلم اور خون ریزی کا ذوق ہے۔ کوفی عنان اور اخضر ابراہیمی کی کوشش کے بشمول تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور اب انقلابیوں اور جیش الحر کی فوج سرکاری فوج کے ہیلی کوپٹر اور مگ فوجی ہوائی جہاز بھی گرا دینے کی پوزیشن میں آ گئی ہے عرب ملکوں کے ٹی وی فضا میں طیاروں کو شعلہ پوش ہوتے ہوئے اور پائیلٹ کو پیراشوٹ کے ذریعہ اترتے ہوئے دکھا رہے ہیں یہ پائلٹ زمین پر اتر کر موت کی منہ میں چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ واقعات کم پیش آئے ہیں۔ الجیش الحر نے بعض فوجی ایرپورٹ پر بھی قبضہ کیا ہے۔ دمشق کے فوجی ایرپورٹ پر جنگ جاری ہے۔ بہت سے حکومت کے فوجی جہاز اور ہیلی کوپٹر مال غنیمت میں ہاتھ آئے ہیں۔ انقلابی اور الجیش الحر کے لوگ حکومت کی فوج کے لوگوں کو گرفتار بھی کر رہے ہیں لیکن اب بھی بعض علاقوں میں انقلابیوں کو بھاری ہتھیاروں کے سامنے پسپائی اختیار کرنی پڑتی ہے اور پھر حکومت کی فوج گھروں میں گھس کر مردوں، عورتوں اور بچوں کو گولیوں کا نشانہ بناتی ہے ابھی حال میں چند گھروں سے دوسو سے زیادہ افراد کی لاشیں ملی ہیں حکومت سے

منحرف فوجی جو انقلابیوں کی فوج میں شامل ہیں بتدریج کامیابی کی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ منحرف فوجی افسر نوجوانوں کی فوجی تربیت کرتے ہیں اور انہیں دفاع کے لائق بناتے ہیں ملک کے ۸۰ فی صدی علاقوں پر انقلابیوں کا قبضہ ہے خود شہر حلب کا بہت بڑا حصہ انقلابیوں کے قبضہ میں ہے لیکن یہ قبضہ زمینی ہے۔ آسمان سے حکومتی فوج کے طیارے بمباری کرتے ہیں اور بے شمار مکانوں اور ہسپتالوں کو مسجدوں اور کلیساوں کو ملبہ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال کم ملے گی کہ کسی حکومت نے بیرونی دشمن کو نہیں بلکہ اپنے ہی عوام کو اتنے بڑے پیمانہ پر ہلاک کیا ہو اور اپنے ہی شہروں کو مسمار کر دیا ہو ملبہ میں دبے ہوئے لوگوں کی آہ و فغاں سن کر ہر شخص کا دل دہل جاتا ہے۔ نئی ٹکنولوجی کے زمانہ میں اب یہ سارے منظر ٹی وی چینل پر نظر آتے ہیں، ہزاروں ہزار شہری جیلوں میں بند ہیں، کئی لاکھ شامی پناہ گزین ہیں۔ ہندوستان کے اخبارات میں یہ خبریں بہت کم آرہی ہیں۔ ایران کی فوجی مدد خاموشی سے عراق کے راستہ سے اب بھی جاری ہے حزب اللہ کی بھی پوری مدد بشار الاسد کو مل رہی ہے حزب اللہ کے فوجی ایرانی فوجیوں کی طرح شام میں اسلحہ کے ساتھ داخل ہو کر بشار کی مدد کر رہے ہیں۔ کیونکہ شام میں حکومت کی فوج کے پاس اسلحہ کی کمی ہوتی جارہی ہیں دیر الزور کے فوجی ہوائی اڈے پر انقلابیوں کے قبضہ کی وجہ سے بہت سے ہوائی جہاز اور ہیلی کوپٹر انقلابیوں کے قبضہ میں آگئے ہیں ادلب کا فوجی ہوائی اڈہ بھی انقلابیوں کے قبضہ میں آگیا ہے وہ وقت بظاہر دور نہیں جب ظلم و ستم کے کوہ گراں روئی کی طرح اڑ جائیں گے جب تخت گرائے جائیں گے جب تاج اچھالے جائیں گے جو آج تک محکوم اور مظلوم رہے ہیں وہ مسند پر بٹھائے جائیں گے۔ مفتی شام فضیلت مآب شیخ حسون جو بشار الاسد کا ساتھ دیتے رہے ہیں غالباً اپنے عہدہ سے برطرف کئے جائیں گے۔ علم کثیر کے ساتھ غلامانہ ضمیر رکھنے والے شیخ سعید رمضان بوطی جو جمعہ کے خطبوں میں بھی حاکم شام کی قصیدہ خوانی سے باز نہیں آئے انہیں اپنی زندگی سے محروم ہونا پڑا۔ بشار کی حمایت کرنے والی کئی شخصیتیں عوامی

غصہ کا نشانہ بن رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نقصان مایہ کے ساتھ شماتت ہمسایہ کے عذاب سے محفوظ رکھے۔

شامیوں نے اپنی آزادی کے لئے جو قربانی دی ہے وہ بے مثال ہے۔ بہت عرصہ سے شہروں سے غذا اور دوا دونوں تقریباً مفقود ہیں۔ عوام کی اکثریت نان شبینہ کی محتاج بن گئی ہے۔ اپنے اپنے خاندان کو فاقہ سے بچانے کے لئے اور صرف روٹی کے لئے دکانوں پر لمبی لمبی لائنیں نظر آتی ہیں ضرورت کی چیزیں بازار سے عنقا ہوگئی ہیں۔ ترکی، قطر، سعودی عرب اور خلیج کے ملکوں کی مالی اور طبی مدد پہنچ رہی ہے۔ شام میں بعض وہ نوجوان جوڑے ہلاک ہوئے ہیں جن کی شادی خانہ آبادی پر بہت کم دن گذرے تھے اور فارسی کا یہ قدیم شعر ان کے حسب حال تھا:

چناں قحط افتد بہ شہرے دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

حقائق جب طشت از بام ہوجاتے ہیں جب ظلم بے نقاب ہوجاتا ہے اور صداقت سامنے آجاتی ہے تو قلب سلیم اور فکر مستقیم رکھنے والے اپنے غلط موقف سے رجوع کر لیتے ہیں اور حق کا ساتھ دیتے ہیں، لیکن جن کے دل میں زیغ ہوتا ہے وہ زاغ وزغن کی طرح مسلسل اپنی آوازیں نکالتے رہتے ہیں اور ظالم کو ظالم کہتے ہوئے ہچکچاتے ہیں اور پھر دوسرے ملکوں کی بحث چھیڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ طریقہ خلط مبحث ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس ملک کے بارے میں جس پر گفتگو ہو رہی ہے دلائل کی روشنی میں صحیح موقف کا اعلان کیا جائے اس کے بعد دوسرے ملکوں کے بارے میں بحث اٹھائی جائے۔ یہی حال اردو کے بعض صحافیوں اور اہل قلم کا ہے جو شامیوں کی تحریک انقلاب کو ہضم نہیں کر پاتے ہیں اور فوراً بحرین کا ذکر لے آتے ہیں۔ شام کی موجودہ مطلق العنان استبدادی حکومت کے خلاف کھڑا ہونا اگر غلط ہے تو وہ تمام تحریکیں غلط قرار پائیں گی جو تاریخ میں باطل نظام کے خلاف کھڑی ہوئی تھیں یہاں تک کہ شاہ ایران کے

مجرمانہ نظام کے خلاف اٹھنے والی امام خمینی کی تحریک بھی غلط ہوگی۔شاہ ایران نے اپنے خلاف اٹھنے والی آزادی کی تحریک کو دہشت گردی قرار دیا تھا۔ یہ ستم ظریفی ہے کہ امام خمینی کے ماننے والے کچھ معتقدین شاہ ایران کی طرح ظالم اور مستبد بشارالاسد کے ظالمانہ نظام اور فاسد حکومت کے خلاف اٹھنے والی آزادی کی تحریک کو دہشت گردی اور تحریک چلانے والوں کو گردن زدنی کا مستحق قرار دے رہے ہیں۔ یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ اگر شام میں جمہوریت آئی اور منصفانہ انتخابات ہوئے تو مصر سے کہیں زیادہ طاقت کے ساتھ اخوانی برسر اقتدار آئیں گے کیونکہ بحیثیت مجموعی انقلاب کی تحریک کی قیادت ان کے ہاتھ میں رہی ہے۔

شام کی تاریخ میں اخوانیوں کا رول بہت اہم رہا ہے۔ ۱۹۴۵ سے پہلے سے ان کی سرگرمیاں شروع ہوچکی تھیں۔ انہوں نے نوجوانوں کی اسلامی تربیت کی۔ انہوں نے مختلف شہروں کی دینی تنظیموں اور جماعتوں کو جو انصارالمسلمین اور شبان المسلمین اور دارارقم وغیرہ کے نام سے کام کررہی تھیں ملا کران کو اخوان کی تنظیم میں داخل کردیا۔ اس دور کے نمایاں اخوانی رہنماؤں میں عدان سعدالدین شیخ محمد الحامد، شیخ ابوالسعو دعبدالسلام، شیخ محمد مبارک، شیخ محمود اور شیخ حسن ہضیبی اور بالخصوص مصطفیٰ سباعی کا نام آتا ہے جنہوں نے ازہر میں تعلیم حاصل کی، شیخ حسن البناء سے ملے جنہوں نے اخوان المسلمون کی تاسیس کی تھی، مصطفیٰ سباعی نے ان کی ہاتھ پر بیعت کی تھی اور پھر خود کو دین کے لئے وقف کردیا تھا اور وہ زبردست خطیب عالم اور مصنف بھی تھے اور شام میں اخوانیوں کے مراقب عام۔شام کے اخوانیوں کی سیاسی جدوجہد نمایاں طور پر یہ رہی ہے کہ انہوں فرانسیسی انتداب کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی اسی لئے بطور انتقام فرانسیسی انتداب کے زمانہ میں اس کی بطور خاص کوشش ہوئی کہ لشکر کی تشکیل میں زیادہ سے زیادہ اقلیتوں یعنی علویوں کو حصہ دار بنایا جائے، چنانچہ علویوں پر مشتمل فوج تیار ہوئی جس کی وفاداریاں فرانسیسی استعمار کے ساتھ تھیں بعد میں جب بعث پارٹی برسر اقتدار آئی تو حافظ الاسد نے جو خود علوی تھے

رہی سہی کسر پوری کردی اس نے فوج اور انتظامیہ میں علویوں کو بھر دیا اور سخت ڈکٹیٹر شپ کا نظام قائم کیا، اخوان کی تحریک میں شامل ہونے اور ممبر ہونے کی سزا پھانسی کی سزا تھی، آج اسی استبدادی نظام کے خلاف شام میں جدو جہد ہورہی ہے۔ اخوان کی اسلامی قیادت سے کسی کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں مصر کی حالیہ اسلامی قیادت نے ثابت کردیا تھا کہ ان کا نظام اور انتظام حسنی مبارک یا بشار الاسد یا قذافی سے کہیں زیادہ جمہوری ہے اور ان میں دوسروں سے زیادہ رواداری پائی جاتی ہے۔ محمد مرسی نے ایک قبطی عیسائی کو نائب صدر بنایا تھا اگر چہ محمد مرسی کو امریکہ، مغربی طاقتوں اور بعض عرب ملکوں کی سازش کا شکار ہونا پڑا۔ ترکی میں اسلام پسند جب سے برسر اقتدار آئے ہیں وہاں کا نظام پہلے کے مقابلہ میں زیادہ جمہوری اور منصفانہ ثابت ہوا ہے یہ بات ان لوگوں کے لئے قابل غور ہے جو اسلام پسندوں کے خلاف رات دن پروپگنڈہ میں مصروف رہتے ہیں۔

عالم اسلام کی تمام دینی تنظیمیں خاص طور پر اخوان المسلمون کی بڑی تنظیم اور اس کی شاخیں شام کے برسر انصاف اور برسر حق عوام کی جائز جدو جہد کا پورا پورا ساتھ دے رہی ہیں۔ لیکن ہندوستان کی دینی اور مذہبی قیادت کا معاملہ عجیب وغریب ہے انہیں برما کے مسلمانوں کی تو فکر ہے (اور یہ فکر بجا طور پر لائق تعریف ہے) لیکن شام کے مسلمانوں کیلئے زبانی ہمدردی بھی ان سے نہ ہوسکی ان کا کوئی بیان اخبارات میں نہیں آیا ہندوستان میں تقریباً تمام مکتب فکر کے رہنماؤں کے لبوں پر پراسرار خاموشی چھائی رہی ہے۔ نہ بشار کی مذمت اور نہ ایران کی مذمت اور نہ شامی عوام کی کھل کر حمایت۔ کبھی کسی کے ذریعہ کوئی تجویز پاس ہوئی تو یہ کہ ”باہر سے کوئی مداخلت نہیں ہونی چاہئے“۔ یہ بات تجویز میں نہیں آئی کہ بشار کو اقتدار سے دست بردار ہوجانا چاہئے یہ بات بھی تجویز میں کہیں نہیں آئی کہ ایران کا بشار کی حمایت کا موقف غلط ہے۔ مجلس مشاورت نے شام کے سلسلہ میں ایک تجویز پاس کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے شام کی حکومت کو

چاہئے کہ اپنے یہاں جمہوریت قائم کرے تاکہ حکومت میں سب کی نمائندگی ہو۔ سوال یہ ہے کہ انتخابات کون کرائے گا جس سے جمہوری انداز میں سب کی نمائندگی ہوگی۔ انتخابات تو مصر میں حسنی مبارک اور ان سے پہلے حکمرانوں کے زمانہ میں بھی ہوئے تھے یہ سب جانتے ہیں کہ یہ انتخابات کس طرح کے ہوتے تھے جس میں حکمراں ۹۵ فی صد سے زیادہ ووٹوں سے جیت کر آتے تھے۔ شام میں حقیقی جمہوریت اسی وقت آئے گی جب وہاں انتخابات کی نگرانی بشارالاسد نہیں بلکہ کوئی اور غیر جانب دار گروہ کرے گا اور اس سے پہلے بشار کو اقتدار سے بے دخل کرنا ضروری ہے۔ آخر یہ بات مسلم مجلس مشاورت کی تجویز میں کیوں نہیں آئی؟ شام کی انقلاب پسند جماعتیں اب ایسی کسی تجویز کو قبول نہیں کرسکتی ہیں جس میں انتخابات کی باگ ڈور بشارالاسد کے ہاتھ میں ہو، شام کی اپوزیشن اس بشار خونخوار سے بات بھی نہیں کرسکتی ہے جس نے ایک لاکھ لوگوں کو خاک وخون میں ملادیا ہو۔ شام کے مسلمانوں کے سلسلہ میں اردو کے بڑے اخبارات کا رویہ تو غیر منصفانہ ہے ہی ہندوستان کی دینی جماعتوں کا رویہ بھی کم افسوناک اور المناک نہیں۔ کسی دینی جماعت نے شامی مسلمانوں کی مظلومیت اور شامی حکومت کی سفاکی اور ظلم پر کوئی بیان نہیں دیا۔ مصر کے سلسلہ میں تو بیانات آئے لیکن شام کے مسلمانوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ دنیا کے تمام رحم دل انصاف پسند شریف انسانوں کی اور عالم اسلام کے مسلمانوں کی انسانی اور مذہبی ذمہ داری ہے کہ شام کے مظلوم مسلمانوں کا دامے درمے قدمے سخنے ساتھ دیں اور ان کی کامیابی کے لئے دعائیں کریں۔ عالم اسلام کی سب سے قیمتی شخصیت علامہ یوسف القرضاوی مسلسل شام کے سلسلہ میں عالم اسلام سے مدد کی اپیل کرتے رہے ہیں۔ ہندوستان کے مسلم رہنماؤں اور صحافیوں کے پاس اگر آسام اور برما کے مظلوم مسلمانوں کی حالت زار پر آنسو بہانے کے بعد آنسوؤں کے چند قطرے باقی رہ گئے ہیں تو ان آنسوؤں کا نذرانہ شام کے ایک لاکھ مسلمان بھائیوں کی لاشوں کے لئے پیش کریں، کیونکہ وہ بھی ان آنسوؤں کے اور ہمدردی

کے مستحق ہیں اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں:

اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

بشار الاسد اور اس ظالم خاندان کی حکمرانی کے خلاف شامی عوامی کی آزادی اور اسلامی انقلاب کی تحریک اتنی ہی درست ہے جتنی شاہ ایران کے استبدادی نظام کے خلاف امام خمینی کی تحریک درست تھی یا قذافی کے جبر وستم کے خلاف لیبیا کے عوام کی تحریک درست تھی یا حسنی مبارک اور زین العابدین اور علی عبداللہ صالح کے خلاف مصر، تیونس اور یمن کے عوام کی تحریک درست تھی۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ظلم جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو اس کا انجام بہت خراب ہوتا ہے اور تاریکی چاہے کتنی ہی مہیب ہو سپیدۂ سحر نمودار ہو کر رہتا ہے۔ مظلوم اپنے ظلم کا انتقام لیتے ہیں اور آخر کار ظلم کے شکنجہ کو توڑ دیتے ہیں۔

اسی دریا سے اٹھی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہہ وبالا

امریکی حملہ:

اس وقت جب کہ یہ کتاب پریس میں جارہی ہے یہ خبریں آرہی ہیں کہ امریکہ شام کی فوجی تنصیبات پر حملہ کرنے والا ہے کیونکہ اس وقت شام کی حکومت کیمیائی ہتھیار کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کررہی ہے، اور شام کے عوام زبان حال سے کہہ رہے ہیں: "**ربنا أخرجنا من هذه القرية الظالم أهلها واجعل لنا من لدنك ولياً واجعل لنا من لدنك نصيراً**" (النساء: ۷۵) اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کی اس بستی سے نکال اور اپنی طرف سے ہمارے لئے ولی اور مددگار عطا فرما۔ شام کے مظلوم اور پریشان حال پوری دنیا۔ سے مدد کے طالب ہیں۔

شریعت میں ظالم کو ظلم سے روکنے کے لئے غیر مسلم سے مدد حاصل کرنا بھی جائز ہے۔

ہجرت کے واقعہ سے ثابت ہے کہ راستہ کی رہنمائی کے لئے حضور اکرم ﷺ نے ایک کافر شخص سے مدد حاصل کی تھی۔ بعض جنگی مہمات میں حضور ﷺ نے غیر مسلموں سے تعاون حاصل کیا ہے۔ جنگ خیبر کے موقع پر آپ نے بنو قینقاع کے یہودیوں سے مدد لی تھی اور جنگ حنین میں صفوان بن امیہ سے مدد حاصل کی تھی جو اس وقت مشرک تھے۔ اس سے ثابت ہوا ہے کہ غیر مسلموں سے جنگ میں مدد لی جا سکتی ہے، اس وقت شامیوں کو بشار الاسد کے مسلسل ظلم سے بچانے کے لئے امریکہ کا شام کی عسکری تنصیبات پر حملہ بہت ضروری ہے۔ امریکہ کی زمینی فوج شام میں نہیں داخل ہوگی اس لئے یہ خطرہ بھی نہیں ہے کہ عراق کی طرح امریکی فوج طویل عرصہ تک قابض رہے گی۔ ایران اور شام کے ان ایجنٹوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے جو امریکہ کی مداخلت پر واویلا کریں گے اور چیخ وپکار سے آسمان سر پر اٹھائیں گے۔

علامہ یوسف القرضاوی اور دیگر علماء دین کے نزدیک شامی عوام کا بشار الاسد کی ظالم حکومت کے خلاف کھڑا ہونا اسلامی نقطہ نظر سے جہاد ہے اور جہاد میں مسلم اور غیر مسلم کسی سے بھی تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے امریکی حملہ کو اسلامی نقطہ نظر سے ہم حق بجانب قرار دیتے ہیں۔

شام میں کیمیائی ہتھیار سے حملہ کے بعد کی ایک ویڈیو فلم ہے۔ اس کی روداد ایک اخبار کے حوالہ سے یہاں نقل کی جارہی ہے اور اسی پر شام کا یہ مضمون ختم کیا جارہا ہے:

> ''دل کو تڑپانے اور رونگٹے کھڑے کر دینے والا یہ ویڈیو شام کے علاقہ ''غوطۂ دمشق'' کی ہے۔
>
> شامی دارالحکومت دمشق کے جنوب اور مشرق میں واقع یہ علاقہ شام کی سرزمین پر آمریت سے برسرپیکار گروہوں کے قبضے میں ہے، جہاں شامی فوج نے مبینہ طور پر کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال کرتے ہوئے نہتے شہریوں پر حملہ کیا، جس کے نتیجہ میں ۱۳۰۰ رسے زائد افراد لقمۂ اجل بن گئے۔

یہ فجر سے پہلے کا وقت تھا کہ اچانک سرسبز زرعی علاقے غوطۂ دمشق کی پرسکوت فضا راکٹوں کی مکروہ آوازوں سے بھرگئی۔ نہ جانے کیا ہو...... معصوم بچے بے ہوش ہوہوکر گرنے لگے۔ ان کے جسم نیلے پڑ گئے اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ بچوں کو مرتے دیکھ کر بے حال مائیں بھی آناً فاناً اسی کیفیت کا شکار ہونے لگیں جس میں ان کے بچے جان سے گئے تھے، ان کی روحیں بھی اپنی آنکھ کے تاروں کے تعاقب میں جسم سے پرواز کر گئیں۔

حملے کے بعد پہلے پہل درجنوں لوگوں کے مرنے کی اطلاعات ملیں، پھر رفتہ رفتہ یہ تعداد بڑھتی گئی۔ مرنے والوں کی حالت اور کیفیت سے صاف ظاہر تھا کہ انہیں کیمیائی ہتھیاروں سے نشانہ بنایا گیا ہے۔ امدادی کارکن متاثرین کی مدد کے لئے پہنچنا شروع ہو گئے، لیکن ان میں سے بھی اکثر مارے گئے۔ قلیل تعداد میں دستیاب آکسیجن ماسک لوگوں کو کیمیائی حملے سے بچانے کے لئے ناکافی تھے۔ صبح طلوع ہوئی تو اس علاقے میں عجیب منظر تھا۔ لوگ خود کو سڑکوں پر گھسیٹ رہے تھے۔ انہیں ہوا کی تلاش تھی۔ کیمیائی گیس سے بھرے اس علاقے سے نکلنا چاہتے تھے، مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ اپاہج جسم طویل سفر طے کر سکیں۔ لوگ خود کو بیمار محسوس کر رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں زخم پڑ گئے تھے۔ ان کے لئے سانس لینا تک دشوار تھا۔ متاثرین میں سے کئی کی ٹانگیں مفلوج ہو گئی تھیں۔ وہ کچھ دیر اسی کیفیت میں رہتے پھر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتے''۔

فلسطین اور مسجد اقصیٰ

قبلہ اول مسجد اقصیٰ اور فلسطین

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اول رہا ہے۔ مکی زندگی میں نماز کا جو قبلہ تھا وہ اس طرح تھا کہ بیت اللہ اور مسجد اقصیٰ دونوں کو ایک ساتھ قبلہ بنایا جا سکتا تھا لیکن مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد جغرافیائی اعتبار سے یہ ممکن نہ ہو سکا۔ حضور اکرم ﷺ نے ۱۷-۱۸ ر مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔ فلسطین کی اہمیت واقعہ معراج سے اور فزوں ہو جاتی ہے۔ معراج کا واقعہ دو قسطوں پر مشتمل ہے۔ ایک قسط مکہ سے بیت المقدس کا سفر اور دوسری قسط بیت المقدس سے آسمان کا سفر، ان دونوں باتوں کی وجہ سے مسلمانوں کے نزدیک فلسطین کی سرزمین جان و دل سے زیادہ عزیز اور حبیب ہے۔ مسلمان اس کی تولیت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اسلام کی تاریخ میں ایک مختصر وقفہ کو چھوڑ کر یہ سرزمین ہمیشہ مسلمانوں کی تولیت اور نگرانی میں رہی ہے، مسلمانوں نے ۱۵ ہجری میں اس شہر کو فتح کیا تھا۔ تاریخ میں ایک بار ۹۰ سال کے لئے یہ سرزمین مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی تھی، صلیبیوں نے ۱۰۹۹ (۴۹۲ھ) میں اس پر قبضہ کر لیا تھا، پھر صلاح الدین ایوبی نے اسے واپس لیا، لیکن پھر یہ سرزمین دوبارہ ۱۹۴۸ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اب پھر ایک نئے صلاح الدین کی ضرورت ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے گرد و پیش کے ملکوں میں اسلامی ذہن و فکر کے لوگ جن کے دل میں فلسطین کی بازیابی کا جذبہ موجود ہو سربراہان سلطنت ہوں، کسی صدام حسین، کسی حسنی مبارک، کسی معمر القذافی، کسی بشار الاسد کے بس میں نہیں ہے کہ وہ فلسطین کو واگذار کرے۔ وہ سرزمین جہاں سے حضور اکرم ﷺ معراج کے سفر پر گئے تھے یہ فساق و فجار، یہ بے دین اور

ملحدین مسجد اقصیٰ کو یہودیوں سے واپس نہیں لے سکتے۔ آج یہ غم ناک صورت حال ہے کہ صہیونی طاقت زبردستی اس سرزمین سے عربوں کو نکال رہی ہے اور وہاں اپنی نوآبادیاں قائم کر رہی ہے۔

یہودی اور ان کے ہم نوا یہ دعوی کرتے ہیں کہ بیت المقدس یہودیوں کا روحانی وطن اور مأمن ہے لیکن یہ دعوی بے دلیل ہے۔ نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی بیت المقدس اور فلسطین آئے اور نہ اس سرزمین میں تورات نازل ہوئی۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان ایک مختصر وقفہ کے لئے یہاں آئے تھے لیکن وہ دونوں بھی یہودیوں کی نظر میں صرف بادشاہ تھے نہ کہ پیغمبر۔ اسرائیل ایک صہیونی استعماری سامراج کا نام ہے جو ناجائز طور پر عربوں کو مسلمانوں اور عیسائیوں کو بے دخل کر کے وہاں قابض ہونا چاہتا ہے۔ اور اہل اسلام کی یہ مذہبی ذمہ داری ہے کہ وہ یہودیوں کا ناجائز قبضہ وہاں سے ہٹائیں، اس کے لئے گردوپیش میں ایک باایمان وباکردار قیادت کی ضرورت ہے نہ کہ فاسق وفاجر قسم کے حکمرانوں کی جنہیں نہ قبلہ اول سے کوئی دلچسپی ہے، اور نہ قبلہ ثانی کی عظمت ان کے دلوں میں ہے، بیت المقدس کا تقدس صرف اچھے اور سچے مسلمان کے دل میں ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:

"سبحان الذی أسری بعبده لیلاً من المسجد الحرام إلی المسجد الأقصی الذی بارکنا حوله" (بنی اسرائیل:۱) ترجمہ: پاک ہے جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے گردوپیش کو اس نے برکت دی ہے، تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔

یہ آیت جس میں معراج کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، ہجرت نبوی سے ایک سال چند ماہ قبل نازل ہوئی تھی۔

مسجد اقصیٰ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: **"لا تشدّ الرحال إلا لثلاثة مساجد؛ المسجد الحرام ومسجدی هذا والمسجد الأقصی"**،

یعنی سفر صرف تین مسجدوں کے لئے کیا جاسکتا ہے؛ مسجد حرام، میری مسجد اور مسجد اقصی۔

مسجد اقصی قبلہ اول ہے، یہ ان مسجدوں میں سے ہے جس کے لئے رخت سفر باندھا جاسکتا ہے یہ مبارک اور مقدس مقام ہے اور حدیث کے مطابق یہاں نماز پڑھنے کا ثواب پانچ سو گنا زیادہ ہے۔ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ گنا ہے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار گنا زیادہ ہے۔ بہت سے صحابہ کرام ہیں جنہوں نے مسجد اقصی سے حج یا عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ صحابہ اور تابعین میں بے شمار لوگوں نے اس سرزمین کے تقدس کی وجہ سے وہاں کا سفر کیا اور وہاں اقامت گزیں بھی ہوئے، بہت سے خلفاء اس سرزمین کے خاص اور مقدس مقامات کو عرق گلاب سے دھویا کرتے تھے۔ اس لئے بیت المقدس اور اس کے مضافات کا علاقہ مسلمانوں کے لئے بہت اہم ہے۔ مسلمان نہ اسے بھول سکتے ہیں اور نہ اس سے دست بردار ہو سکتے ہیں، اور نہ اسے انبیاء کرام کے قاتلین یہودیوں کے حوالہ کر سکتے ہیں۔ یہودیوں کے بارے میں قرآن میں ہے: "ذلک بأنهم كانوا يكفرون بآيات الله ويقتلون النبيين بغير الحق" (البقرہ:۶۱)، یعنی ایسا اس لئے ہے کہ یہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے یہودیوں کو انبیاء کرام کا قاتل، گمراہ، کافر اور ملعون قرار دیا ہے۔ تورات میں بھی ان کے خلاف بہت کچھ ہے۔ تلمود میں یہودیوں کو قتل کا حق دار قرار دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک فلسطین مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔ معراج کی رہگذر ہے۔ مقدس شہر ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام وہیں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق نے وہاں دفن کئے جانے کی وصیت کی تھی۔ اسی جگہ حضرت مریم کی وفات ہوئی تھی، اسی جگہ حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی بشارت دی گئی تھی۔ الغرض مسلمانوں کے تمام دینی جذبات اسی سرزمین سے وابستہ ہیں اور پھر اسلام کی پوری تاریخ میں ایک مختصر زمانہ کے سوا یہ سرزمین

مسلمانوں کی تولیت میں رہی ہے۔ اور جب تک یہ سرزمین مسلمانوں کی تولیت میں واپس نہیں آجاتی مسلمانوں کو چین اور قرار نہیں آسکتا ہے۔ ایک سچا اور دردمند مسلمان فلسطین کی بازیابی کے بغیر آرام کی نیند نہیں سوسکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ/ ۶۳۶ء کو فلسطین فتح کیا تھا۔ اس سے پہلے فلسطین عیسائیوں کے قبضہ میں تھا۔ عیسائیوں نے جب یہ شہر حضرت عمرؓ کے سپرد کیا تو ان سے اس بات کی بھی ضمانت چاہی کہ یہاں کوئی یہودی آباد نہ ہوگا، جس وقت یہ سرزمین مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھی اس وقت عیسائی یہودیوں سے اس درجہ نفرت کرتے تھے کہ وہ اس کے روادار نہ تھے کہ یہاں کوئی یہودی آباد ہو اور آج یورپ اور امریکہ کے عیسائی اسرائیل کے حامی و مددگار اور سب سے بڑے پشت پناہ ہیں۔ مسلمانوں نے فتح فلسطین کے بعد اس سرزمین کے تقدس کی حفاظت اس طرح کی کہ تمام انبیاء کے مدفن کے پاس مسجدیں تعمیریں کیں۔ اس شہر کا اتنا احترام کیا گیا کہ اگرچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے شہر فتح کیا تھا لیکن اس کے قبضہ کے لئے حضرت عمر فاروق خلیفۃ المسلمین کو مدینہ منورہ سے بلایا گیا۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ میں تمام آسمانی شریعت کے پیروکاروں کے لئے شہر کے مقدس مقامات کی حفاظت کی گئی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے تمام مقدس مقامات کی مسلمانوں نے حفاظت کی۔ مقدس مقامات کی حفاظت کو مسلمانوں نے اپنی مذہبی ذمہ داری سمجھا۔ تمام مذاہب کے ماننے والوں کے دروازے مقدس شہر کے لئے کھلے رکھے گئے۔ اس کے برخلاف جب ۱۰۹۶ء میں پہلا صلیبی حملہ اس شہر پر ہوا تو مسلمانوں کو لوٹا گیا اور ان کو قتل کیا گیا، قدس کا محاصرہ ستر ہزار لوگوں نے کیا تھا جب کہ اس کا دفاع صرف ایک ہزار مصری فوجی کررہے تھے۔ مسلمانوں نے ایک ماہ سے کچھ زیادہ مزاحمت کی پھر یہ شہر صلیبیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اور پھر مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا اور ایک ہفتہ تک سڑکیں اور گلیاں مسلمانوں کے خون سے بھر گئیں ایسا لگتا تھا کہ آسمان سے خون کی بارش ہوئی ہو، ایسا لگتا تھا کہ زمین سے

خون کے چشمے پھوٹ پڑے ہوں۔

صلیبیوں نے فلسطین پر قبضہ کرنے کے بعد مصر کا رخ کیا۔ یہاں اس وقت فاطمی حکومت تھی۔ یہ باطنی اسماعیلیوں کی حکومت تھی۔ امت کے جمہور اہل سنت کو اس سے زیادہ تعلق نہیں تھا۔ صلیبیوں نے اس سے فائدہ اٹھایا وہ حملہ آور ہوئے اور فاطمی حکومت کو ایک ملین دینار صلیبیوں کو دینے پڑے۔ مصر کا خزانہ صلیبیوں کے زیر تصرف آ گیا۔ گویا مصر صلیبیوں کا باج گذار اور ماتحت ہو گیا۔

صلیبیوں کی یلغار کے خلاف مسلمانوں کی غیرت بیدار ہوئی۔ موصل کی زنگی حکومت کے سربراہ عماد الدین زنگی (۱۱۷۰ء) تھے۔ ان کی حکومت نے عراق اور شام کو آزاد کرایا۔ پھر نور الدین زنگی (۱۱۱۸ - ۱۱۷۴ء) نے اپنا دار السلطنت شام کے شہر حلب کو بنایا، نور الدین زنگی کے بعد صلاح الدین ایوبی (۱۱۳۷ - ۱۱۹۳) حکمراں ہوا اور اس نے صلیبیوں کو مکمل طور پر شکست دی اور اسی کے دور میں ۹۰ سال کے بعد ۱۱۸۷ء (۵۸۳ھ) میں فلسطین کی بازیابی ہوئی۔ صلاح الدین ایوبی اسلام کا شیر تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے بے جان اور صلیبیوں کی باج گذار حکومت فاطمی سلطنت کا تختہ پلٹ دیا۔ اس نے اہل سنت کی جڑیں مضبوط کیں اور دینی مدارس قائم کئے۔ صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ بیت المقدس کو واپس لیا تو کوئی خون ریزی نہیں کی۔ ایک عیسائی فاتح اور مسلمان فاتح کا جو فرق ہے وہ تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

بیت المقدس اور فلسطین پر دوبارہ قبضہ کی کوششیں عیسائیوں کی طرف سے جاری رہیں، سقوط غرناطہ کے پانچ برس کے بعد ۹۰۳ھ ۱۴۹۷ء میں کیپ آف گڈ ہوپ کے بندرگاہ سے عالم اسلام کو گھیرنے والے ایک نئے راستہ کی دریافت ہوئی۔ جب عالم اسلام کی گھیرا بندی کی کوششوں میں اضافہ ہوا اور مملوک حکمرانوں کی طاقت کمزور ہونے لگی تو اس وقت عثمانی سلطنت نے عالم عرب کو اپنی فوج کے ماتحت لے لیا تا کہ اس گھیرا بندی کا مقابلہ کیا جا سکے جس نے یورپی

حملہ آوروں کے قدم انڈونیشیا اور ہندوستان اور فلپین میں مضبوط کردیئے تھے۔ اس کے بعد ایران کی صفوی حکومت اور عثمانی حکومت کے درمیان جنگیں شروع ہوئیں ان باہمی اختلافات کی وجہ سے مغربی طاقتوں کو قدم جمانے کا زیادہ موقع ملا۔ نپولین نے ۱۷۹۸ء میں مصر پر حملہ کیا۔ انگریزوں نے ۱۸۰۷ء میں مصر پر حملہ کیا، فرانس نے الجزائر پر ۱۸۳۰ء میں قبضہ کرلیا۔ عدن پر انگلینڈ نے ۱۸۳۸ء میں قبضہ کیا۔ تیونس پر فرانس نے ۱۸۸۱ء میں قبضہ کیا۔ مصر پر انگلینڈ نے ۱۸۸۲ء میں قبضہ کیا۔ اٹلی نے لیبیا پر ۱۹۱۱ء میں قبضہ کیا، فرانس نے مراکش پر ۱۹۱۱ء میں قبضہ کیا۔ انگلینڈ نے عراق پر ۱۹۱۷ء میں قبضہ کیا۔ مغربی طاقتوں کا دست حرص وآز دراز ہوتا گیا اور عالم اسلام کے شوکت کی قبا تار تار ہوتی گئی۔

۱۹۱۷ء میں معاہدہ بلغور کی صورت میں صہیونی مغربی اتحاد وجود میں آیا جس کی دعوت نپولین نے شہر عکا کے محاصرہ (۱۷۹۹) کے وقت دی تھی، ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کا رزولوشن پاس ہوا۔ اس طرح سے اسرائیل کی بنیاد پڑی اور عرب آبادی کے سینہ میں اسرائیل کا خنجر پیوست کردیا گیا۔

۱۹۱۷ء/ ۱۳۳۶ھ کو بیت المقدس پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اس قبضہ سے انگریز اس قدر خوش ہوئے کہ ان کے ایک جنرل نے کہا کہ ''آج صلیبی جنگیں ختم ہوتی ہیں''، گویا اس طرح سے صلیبیوں کا بیت المقدس پر دوبارہ قبضہ کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ فرانس نے ۱۹۲۰ء میں دمشق پر قبضہ کرلیا اور فرنچ جنرل دمشق میں صلاح الدین ایوبی کی قبر پر گیا اور اس نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا ''صلاح الدین ہم لوٹ آئے ہیں''۔ ۱۹۲۳ء میں خلافت عثمانیہ کا قانونی طور پر خاتمہ ہوگیا، ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی یہودی ریاست باضابطہ قائم ہوئی۔ اس سال مسلمانوں کی تباہ ہونے والی بستیوں کی تعداد چار سو تھی۔ ۱۹۶۷ء میں مکمل طور پر بیت المقدس پر اسرائیل کا قبضہ ہوگیا، ۱۹۹۲ء میں بوسنیا کی جنگ اس لئے ہوئی تا کہ اسلام کو یورپ کے درمیانی

حصہ سے نکالا جائے۔ اس جنگ کی حقیقت سربیا کے وزیر ابلاغ کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ ''ہم نئی صلیبی جنگوں کے دستے ہیں''۔ مغربی طاقتیں مشرقی اسلامی طاقتوں پر غالب آگئیں۔

اس پورے پس منظر کو سامنے رکھنے کے بعد ہمیں اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ یہودیوں اور صلیبیوں نے باہم اتفاق اور اشتراک سے مسلمانوں سے صلاح الدین ایوبی کی فتوحات کا پورا بدلہ لیا ہے اور ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ ہم بیت المقدس قبلہ اول کی بازیابی کے لئے کیا کریں۔ یہودیوں کی طرف سے مسلمانوں کے قتل اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنانے کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

اس وقت صہیونیت بیت المقدس کی تمام اسلامی شناخت کو مٹانے کے درپے ہے۔ مسلم محلوں سے مسلمانوں کی آبادی بتدریج ختم کی جارہی ہے۔ دوسرے ملکوں سے آنے والے یہودیوں کو وہاں آباد کیا جارہا ہے۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے بیت المقدس یہودی دارالسلطنت تھا۔ اس غلط نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے سمیناروں اور اجتماعات کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ عربوں کی زمینوں پر قبضہ کیا جارہا ہے۔ بڑی بڑی کالونیاں قائم کی جارہی ہیں، نئی یہودی بستیاں بسائی جارہی ہیں۔ یہودیوں نے بیت المقدس کو اپنی سرزمین کا ایک جزء قرار دے دیا ہے۔ اس شہر کی دینی اور ثقافتی شناخت ختم کی جارہی ہے، اسرائیلی حکومت نے ۱۹۸۰ء میں یہ قرارداد پاس کی ہے کہ بیت المقدس اسرائیلی حکومت کا دائمی اور مستقل پایہ تخت ہوگا۔ عرب باشندوں کو تعمیرات کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔

۱۹۴۸ء میں جب یہودیوں نے فلسطین پر پہلے پہل قبضہ کیا تھا تو ۲۰-۲۵ ہزار افراد کو قتل کیا تھا اور لاکھوں کو دوسرے ملکوں میں پناہ لینے پر مجبور کیا تھا۔ بے شمار بستیاں ویران ہوگئی تھیں اور پھر جب ۱۹۶۷ کی جنگ ہوئی تو اسرائیل نے عرب ممالک کے دس ہزار فوجی مارے، اسرائیل نے فلسطین، مصر، سیریا، لبنان اور اردن کے وسیع علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ بعد میں عرب

انتفاضہ کے دوران یہودی فوجیوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے شہداء کی تعداد ۵۰۹۳ ہے۔ زخمیوں کی تعداد ۴۹۹۹ ہے جن میں ۴۸۳۵ لوگ عام شہری تھے۔ ۱۸ ربرس سے کم عمر کے شہید بچوں کی تعداد ۶۴۰ تھی جب کہ ۴۸۱ شہری سیاسی قتل کے شکار ہوئے۔ دیریاسین کے قتل کا واقعہ بھی ظلم کی تاریخ میں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ دیریاسین شہر قدس سے مغرب میں واقع ایک بستی ہے جو سطح سمندر سے ۷۷۰ میٹر اوپر آباد ہے۔ دس اپریل ۱۹۴۸ء کو یہودی نوجوانوں نے اس گاؤں پر اس وقت حملہ کیا جب وہاں کے باشندے محوخواب تھے۔ لوگوں کو گولیوں سے بھون دیا۔ حاملہ خواتین کے پیٹ چاک کئے۔ عورتوں کے ساتھ جنسی دست درازیاں کی۔ اجتماعی قبریں تیار کیں۔ ۲۵-۲۵ مقتولین کو ایک ایک جگہ دفن کیا۔

یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ ۱۹۱۷ء میں اعلان بالفور کے وقت فلسطین میں چھ لاکھ عرب آباد تھے صرف ساٹھ ہزار یہودی تھے۔ لیکن بعد کی تاریخ میں یہ فرق گھٹتا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں عرب دو تہائی اکثریت میں تھے اور یہودی صرف ایک تہائی تھے۔ یہودیوں کی تعداد برابر بڑھتی گئی اور ان کے پاس ایسے اسلحہ بھی آ گئے جو عرب ملکوں کے پاس نہیں تھے۔ ۱۹۴۸ء کی جنگ کے بعد سے یہودیوں نے فلسطینیوں کے املاک کو لوٹنا شروع کر دیا۔ فلسطین کے کئی لاکھ باشندوں نے ملک بدر ہوکر دوسرے ملکوں میں پناہ لی۔ ۱۹۶۷ کی جنگ کے بعد سارے کا سارا فلسطین، غرب اردن کا علاقہ، غزہ کی پٹی اور جولان کی پہاڑیاں اور مصر کا جزیرہ نما سینائی یعنی مجموعی طور پر ۲۰۸۷۰ مربع میل کا علاقہ اسرائیلی فوج کے زیر نگیں آ گیا۔ جزیرہ نما سینائی کا علاقہ معاہدہ امن کے بدلہ مصر کو واپس کر دیا گیا لیکن بقیہ عرب علاقوں پر اس کا تا حال قبضہ ہے۔

اسرائیل بے سہارا پناہ گزینوں کو واپس لینے کے لئے تیار نہیں۔ گویا تمام پناہ گزیں اب ہمیشہ اسی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں زندگی گذارنے پر مجبور رہیں گے۔ دوسری طرف اسرائیل انتہائی سرعت کے ساتھ وہ علاقے آباد کرتا رہا ہے جو عربوں کے چلے جانے سے خالی

ہو گئے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب لاکھوں پناہ گزینوں کو دوبارہ اپنے وطن میں آنا نصیب نہ ہو گا۔ اسرائیل ان کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور وہ اسی کے ساتھ مسجد اقصی پر بھی قابض ہونا چاہتا ہے اور وہاں پر مسلم آبادیوں کو بھی وہاں سے ہٹانا چاہتا ہے۔

اسرائیل کے ناسور کو صرف جذبہ جہاد سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اسرائیل نا قابل شکست ہے جو کمی ہے وہ روح جہاد میں ہے۔ اب کوئی سلطان صلاح الدین ایوبی نہیں جو خالص جذبہ دینی سے اسرائیل کا مقابلہ کرے۔ اسرائیل کو تو ۱۹۷۳ء میں بھی شکست ہوئی تھی جب مصر و شام نے مشترکہ طور پر ۶/ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو اسرائیل پر حملہ کیا تھا۔ اس جنگ سے دو ماہ پیشتر وزیر دفاع موشے داہاں نے فتح کے نشہ میں چور ہو کر یہ اعلان کیا تھا کہ طاقت کا توازن ہمارے حق میں ہے اور کوئی ہمیں زیر نہیں کر سکتا ہے۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کا نتیجہ کیا نکلا تھا۔ میدان جنگ میں پورے طور پر نہ سہی بڑی حد تک عرب کامیاب ہوئے تھے اور ان کی عزت نفس بحال ہوئی تھی۔ سادات نے نہر سوئز عبور کر کے مشرقی کنارے پر اسرائیلی فوجوں کو شکست دی تھی۔

اسرائیل نے پناہ گزینوں پر بھی حملے کئے، ۱۹۸۲ میں اس نے لبنان میں فسلطینی پناہ گزینوں کو ظلم کا نشانہ بنایا۔ اسرائیلی فوج نے صابرہ اور شطیلہ کے پناہ گزینوں کو اپنے نرغہ میں لے لیا اور اپنی طرف سے یہ صفائی پیش کی کہ یہاں دہشت گرد چھپے ہوئے ہیں۔ اسرائیل نے یہاں خواتین کا، بچوں کا اور بوڑھوں کا قتل عام شروع کیا۔ اسرائیلی کابینہ نے کہا کہ یہودی قوم کے خلاف قتل و غارت گری کا جھوٹا الزام لگایا گیا ہے۔ دو ہزار سے زیادہ فلسطینی اس میں شہید ہوئے، اسرائیلی امداد سے فلانجسٹ گروپ صابرہ اور شطیلہ میں داخل ہوا تھا اور اس نے یہ خوفناک خون ریزی کی تھی۔

یو ان او کی قرارداد ۲۴۲ میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ لیکن

مفاخم بیگن کی لیکڈ (اتحاد پارٹی) کے نزدیک ارض اسرائیل پر صرف یہودیوں کا حق تھا اس پارٹی کا کہنا ہے کہ ہمارا موروثی وطن نا قابل تقسیم ہے۔ عربوں کو بے دخل کرتے رہنا اور عربوں کے علاقہ میں اپنی کالونیاں آباد کرنا ان کے اسی پروگرام کا حصہ ہے۔ اسرائیل کی توسیع پسندانہ پالیسی میں مصر و شام واردن کے علاقے بھی آتے ہیں۔

اسرائیل کے پاس بلند ترین اور طاقت ور ترین اسلحے ہیں۔ مقبوضہ علاقوں پر اس نے نو آبادیاں قائم کرلی ہیں اور عربوں پر اس کے مظالم کا سلسلہ جاری ہے۔ عربوں کے پاس پتھروں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں۔ عرب بچوں اور جوانوں نے دور مار آتشی اسلحہ کے مقابلہ میں ہاتھوں میں پتھر اٹھا لیے اور انہوں نے ان پتھروں سے اسرائیلی فوجیوں کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔ اس مقابلہ کا نام انتفاضہ رکھا گیا۔ اسرائیل نے ان غیر مسلح عربوں کو اور فلسطینیوں کو گرفتار کرنا اور ہلاک کرنا شروع کردیا اور اب تک کئی ہزار فلسطینی ہلاک کئے جا چکے ہیں۔ کئی ہزار جیلوں میں ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں زخمی ہیں۔ یہ انتفاضہ اسرائیل کے ناجائز قبضے اور نو آبادی اور ناجائز تعمیرات کے خلاف غصہ کا اظہار تھا۔ اسرائیل نے اس کا بدلہ اس طرح لیا کہ ہزاروں فلسطینیوں کو لقمہ اجل بنادیا، بچوں اور عورتوں کو گرفتار کیا۔

امریکی حکومت پر اسرائیل کا اثر ونفوذ بہت زیادہ ہے۔ امریکہ کی پوری سیاست اور اس کی تمام پالیسی قوم یہود کی مٹھی میں ہے۔ امریکہ کے تمام بڑے اخبارات، تمام بینک اور صنعت پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ کس ملک کو اسلحہ دیا جائے اور کتنا دیا جائے یہ سب کچھ یہودی طے کرتے ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ کسی ملک کو امریکہ کی مدد ملتی ہے تو وہ اسرائیل ہے۔ اسرائیل کے پاس جوہری ہتھیاروں کا انبار ہے۔ تمام عرب ملک مل کر بھی اس کی طاقت کا مقابلہ نہیں کرسکتے ہیں۔

سب سے زیادہ ناگفتہ بہ حالت فلسطینی پناہ گزینوں کی ہے، ۱۹۴۸ء میں اور پھر

۱۹۶۷ء کی جنگ میں فلسطینیوں کو اپنے گھر بار سے محروم ہونا پڑا۔ وہ اپنے کھیتوں سے اور زیتون اور سنترے کے باغات سے محروم ہوئے۔ ان کی اولاد آج تک پناہ گزیں ہے۔ فلسطینیوں کو نہ اپنے گھروں میں واپس جانے کی اجازت ملتی ہے اور نہ ان کو کوئی معاوضہ دیا جاتا ہے۔

سب سے بڑا سانحہ مسجد اقصی کا ہے۔ مسجد اقصی مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔ یہودی یروشلم کو اپنا پایہ تخت بنانے پر اصرار کرتے آئے تھے۔ ۱۹۶۷ء سے اس علاقہ پر اسرائیل کا قبضہ ہے۔ اسرائیل نے اقوام متحدہ کی تجاویز کو بھی ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

اسرائیل کی جارحیت نہ ختم ہونے والی ہے۔ اقوام متحدہ کتنی ہی تجویزیں پاس کر دے اس کے توسیع پسندانہ عزائم نہ کم ہونے والے ہیں۔ اسے اپنی طاقت کا غرور ہے۔ اس کے پاس ایٹم بم ہے اور جوہری اسلحے موجود ہیں۔ فلسطینی مسلمان بیت المقدس کی حفاظت اور بازیابی کی لڑائی لڑ رہے ہیں اور بیت المقدس کی بازیابی دنیا کے تمام مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ یہ بات منبروں سے کہنے کی ہے، تحریروں میں بیان کرنے کی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے جہاد قیامت تک باقی رہے گا۔ بیت المقدس کو دوبارہ روح جہاد کو بیدار کئے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بیت المقدس کی کسی صلاح الدین ایوبی کے بغیر بازیابی محال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عرب دنیا میں فلسطین کے گرد و پیش خاص طور پر وہ لوگ زمام اقتدار سنبھالیں جو شہادت کا شوق رکھتے ہوں وہ جذبہ جہاد سے اور شوق شہادت سے عوام و خواص کے دلوں کو معمور کر دیں۔ جو بیت المقدس کے بغیر زندگی کو بے مزہ اور بے کیف سمجھیں جو رات کی تنہائیوں میں اللہ تعالی سے فتح کی دعائیں مانگیں جو دن کے ہنگاموں میں اپنی پوری توجہ جنگ کی تیاریوں میں صرف کریں۔

فلسطین کا غم اتنا بڑا غم ہے کہ ایک مسلمان غم میں ڈوب جائے اور گریبان کو چاک اور دامن کو تار تار کر لے تو اسے ایسا کرنے کا حق ہے۔ لیکن کم از کم اتنا تو ضرور ہو جو شخص خود کو مسلمان کہتا ہے وہ پورے طور پر قضیہ فلسطین سے واقف ہو اور تا مقدور اس کی بازیابی کے لئے کوشش

کرے اور اللہ تعالی سے نصرت اور فتح کی دعا کرتا رہے۔ وما النصر إلا من عند الله۔

آخر میں مسئلہ فلسطین کو سمجھنے کے لئے اور اس کی حقیقت کو جاننے کے لئے مسجد اقصی کے امام ڈاکٹر شیخ محمود الصیام کے مفصل عربی مضمون کی اردو میں ہم تلخیص پیش کرتے ہیں:

"فلسطین جسے بلاد الشام کے نام سے جانا جاتا ہے، عالم عرب کے جنوب مغربی حصے میں واقع ہے۔ اس کے شمال مغرب میں لبنان کی ۷۹ کلومیٹر لمبی سرحدیں ہیں تو شمال مشرق میں شام کی ۷۰ کلومیٹر دراز سرحدیں، بالکل مشرق میں اردن اپنی ۳۶۰ کلومیٹر سرحدوں سے گھیرے ہوئے ہے تو جنوب میں صحراء سینا ۲۴۰ کلومیٹر تک دراز ہے اور ۲۵۰ کلومیٹر تک بحر ابیض مغرب سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔

فلسطین کا رقبہ ۲۷۰۰۹ کلومیٹر پر محیط ہے۔ فلسطین کے مشرق و شمال میں جہاں پہاڑوں اور چٹانوں کا لمبا سلسلہ پھیلا ہوا ہے وہیں پر مغربی علاقہ اپنے زرخیز ہموار میدانی علاقوں سے مالا مال ہے، فلسطین کا جنوبی علاقہ چٹیل میدان سے عبارت ہے جو صحرا کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔

ویسے تو فلسطین میں دسیوں ایسے شہر ہیں جو اپنے تاریخی پس منظر اور جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں، لیکن فلسطین کا سب سے مشہور و معروف شہر القدس ہے، جو مشرقی پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے، اسی شہر میں مسجد اقصی واقع ہے۔ القدس سے بالکل لگا ہوا دوسرا شہر الخلیل ہے، جس میں مسجد ابراہیم واقع ہے اور اس شہر کا نام بھی ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام پر الخلیل پڑا۔ اسی شہر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سمیت بہت سارے انبیاء مدفون ہیں جسے Herbon کے نام سے جانا جاتا ہے۔

فلسطین کے دوسرے اہم شہر رملہ، نابلس اور طولکرم ہیں جو مغربی کنارے (West Bank) پر واقع ہیں۔ ایک اور نام جسے فلسطین کے پس منظر میں بار بار لیا جاتا ہے وہ بیت لحم ہے جو القدس اور الخلیل کے درمیان واقع ہے۔

فلسطین کی مزاحمتی تحریک کے حوالے سے چند اور شہروں کو اچھی خاصی شہرت حاصل ہے جن میں غزہ پٹی پر واقع غزہ، خان یونس اور رفح کی بستیاں ہیں، واضح رہے کہ غزہ پٹی کا رقبہ تقریباً ۳۶۰ مربع کلومیٹر ہے۔

مذکورہ بالا شہروں کے بعد عکا، حیفا، یافا اور مجدل عسقلان کا نام آتا ہے جو ۱۹۴۸ء سے صہیونیت کے قبضے میں ہیں۔

رہا فلسطینیوں کا معاملہ تو ذیلی ٹیبل کے ذریعہ اس ظلم وزیادتی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس کے فلسطینی شکار ہوئے اور کرۂ ارض کے مختلف حصوں سے یہودیوں کو لالاکر برطانوی استعمار کی زیر سرپرستی فلسطین میں بسایا گیا۔

	عثمانی مردم شماری	برطانوی مردم شماری	برطانوی مردم شماری	اقوام متحدہ کے زیرنگرانی
	۱۹۱۴ء	۱۹۲۲ء	۱۹۴۵ء	مردم شماری ۲۰۰۱ء
مسلم	۵۰۰.۰۰۰	۵۰۰.۰۰	۱.۲۵۰.۰۰۰	۷.۰۰۰.۰۰۰
عیسائی	۶۰.۰۰۰	۶۰.۰۰۰	۱۵۰.۰۰۰	۲۵۰.۰۰۰
یہودی	۵۰.۰۰۰	۶۵.۰۰۰	۶۰۰.۰۰	۴.۰۰۰.۰۰۰
ٹوٹل	۶۱۰.۰۰۰	۶۲۵.۰۰۰	۲.۰۰۰.۰۰۰	۱۱.۲۵۰.۰۰۰

درج بالا ٹیبل سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ سرزمین فلسطین پر برطانوی استعمار کے زمانے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کا شرح نمو 2.5% ہے جو کہ بالکل فطری اور Natural ہے۔ اس کے بالمقابل یہودیوں کی شرح نمو ۹ گنا زیادہ ہے اور فلسطین سے برطانیہ کے انخلاء کے بعد اس میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

آج اگر ہم فلسطین کے نقشے پر آبادی کے تناسب کے لحاظ سے نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ تقریباً ۳۵ لاکھ فلسطینی اپنے ہی ملک میں باہر خیموں میں پناہ گزین کی حیثیت سے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

۶۳۶ء میں حضرت خالد بن الولیدؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے ہرقل کی فوج کو شکست دی اور خلیفہٗ وقت عمر بن الخطابؓ القدس کی سرزمین پر تشریف لے گئے جسے اس زمانے میں (ایلیاء) کے نام سے جانا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے حضرت ابوعبیدہؓ عامر بن جراح کی قیادت میں شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا، وہی حضرت ابوعبیدہؓ جن کے ہاتھوں میں حضرت خالد بن الولیدؓ کے بعد اسلامی فوج کی کمان آئی، اسی موقع پر پوپ صفرونیوس نے اپنے ہاتھوں سے شہر کی کنجیاں حضرت عمرؓ کے حوالہ کیں اور وہ عظیم معاہدہ انجام پایا جس میں اسلامی اخلاق واصول اور جنگ وامن میں مسلمانوں کے عظیم محاسن کی داستان رقم ہے۔ وہ معاہدہ آج بھی اپنے زریں اصولوں کی وجہ سے انسانی تاریخ کے لئے فخر کا سامان فراہم کر رہا ہے۔

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ نے اہل قدس (ایلیاء) کو امان دی ہے، یہ امان ان کی جانوں اور مال دونوں کے لئے ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے ان کے کلیسا اور عبادت گاہیں سب محفوظ ہیں۔ نہ ہی ان کی عبادت گاہوں کو منہدم کیا جائے گا اور نہ ہی کوئی بزور قوت اس میں سکونت پذیر ہوگا۔ ہر ایک کو اپنے دین پر چلنے کی آزادی ہوگی اور کوئی دین بدلنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی کو کوئی گزند پہنچائی جائے گی۔ اہل ایلیاء (قدس) کے ساتھ کوئی یہودی نہیں رہے گا۔ اہل ایلیاء کو جزیہ دینا ہوگا جیسا کہ اہل مدائن جزیہ ادا کرتے ہیں۔ ایلیاء والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ رومیوں کو اور باہر کے گھس پیٹھیوں کو

نکال باہر کریں پس جو ان میں سے نکل جائیں تو ان کی جان و مال محفوظ ہیں یہاں تک کہ وہ منزل مقصود کو پہنچ جائیں اور ان میں سے جو قیام کرے تو اس کے لئے بھی امان ہے مگر انہیں جزیہ دینا ہوگا''۔

اس معاہدہ کو ۱۵ ر ہجری میں لکھا گیا اور بحیثیت گواہ اس پر درج ذیل صحابہ کرام نے اپنے دستخط ثبت کئے۔ خالد بن الولید، عبدالرحمٰن بن عوف، عمرو بن العاص اور معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) اور معاہدہ کی ایک نقل صفرونیوس کے حوالے کی گئی۔

فلسطین اس طرح مسلسل تیرہ صدیوں تک اسلامی مملکت کے زیر نگیں رہ کر اس کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا رہا اور وقفے وقفے سے صلیبی حملوں کا شکار بھی رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آخری معرکہ کے لئے صلاح الدین ایوبی کو پیدا فرمایا جن کی قیادت پر پوری ملت اسلامی مجتمع تھی۔ معرکہ حطین بپا ہوا اور بفضل ایزدی القدس آزاد ہوا، پھر تاتاریوں کا زمانہ آیا اور وہ عالم اسلامی پر یکے بعد دیگرے قبضہ کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ وہ انبیاء کی سرزمین پر قدم رکھنے والے تھے کہ سلطان قطز کے ہاتھوں معرکۂ عین جالوت میں تاتاریوں کی سرکوبی ہوئی۔

پھر مسلمانوں کا ناگفتہ بہ دور شروع ہوتا ہے۔ حوصلے پست ہوتے ہیں اور مسلمان اپنے فرض منصبی سے غافل ہوتے ہیں۔ پہلی عالمی جنگ کے موقع پر برطانوی فوجیں ۱۹۱۷ء میں فلسطین کی سرزمین پر گھس کر مسلمانوں کے سینوں پر مونگ دلتی ہیں۔ اور انسانی تاریخ کا انتہائی بدترین معاہدہ عمل میں آتا ہے، جسے معاہدۂ بلفور کے نام سے جانا جاتا ہے، جس کی رو سے فلسطین میں ایک ناجائز ریاست کا قیام عمل میں آتا ہے اور دنیا کے چپے چپے سے یہودی لالا کر وہاں پر بسائے جاتے ہیں۔ اسی دن سے فلسطین میں کشمکش کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور مغرب کی یہ

کوشش ہوتی ہے کہ کس طرح یہودیوں کے قدم کو یہاں پر جمایا جائے۔

گاہے بگاہے مسلم حکمرانوں کی جانب سے بعض بیانات صادر ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی وہ مذمتی قرارداد یں پاس کرتے ہیں تو کبھی وہ مسجد اقصی کو درپیش خطرات پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ معاملہ صرف مسجد اقصی کا ہے اور ان حکمرانوں کو فلسطین اور مسئلہ فلسطین سے کوئی واسطہ نہیں ہے، لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ فلسطینی قوم کو اگر اللہ تعالی کے بعد کسی پر بھروسہ ہے تو وہ ملت اسلامیہ کے عوام ہیں، حکمراں نہیں۔

تاریخی لحاظ سے بھی یہ ایک جرم ہے جس کا ارتکاب ہو رہا ہے کہ قابض صہیونیوں کی زیادتیوں پر مہر سکوت نہ توڑا جائے، وہ زیادتیاں جو مسجد اقصی کے دامن میں انجام دی جارہی ہیں یا وہ ظلم وعدوان جو پورے فلسطین میں برپا ہے۔ اس موقع سے میں یہ بانگ دہل بتادینا چاہتا ہوں کہ امت مسلمہ کی موجودہ دور میں سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مزاحمتی جانبازوں کی مدد کریں۔ یہ مدد مادی بھی ہوسکتی ہے اور معنوی بھی، سیاسی بھی ہوسکتی ہے اور اعلامی بھی۔ بحمداللہ مسلم امت کا مال واسباب میں کوئی ثانی نہیں ہے۔ وہ اس بات پر قادر ہیں کہ فلسطین میں صہیونی زیادتیوں پر بند باندھ سکیں۔ شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس خلوص نیت ہو اور عزم محکم ہو، اسی طرح سے مسلمان اپنی عددی قوت میں بھی کسی دوسری ملت سے کم نہیں ہیں اور ان کے پاس بعض ایسے ممالک بھی ہیں جو معنوی اور مادی دونوں قوتوں سے مالا مال ہیں۔

اقوام متحدہ میں ۵۷ ممالک مسلم امت کی نمائندگی کرتے ہیں، اگر یہ اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کریں اور بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اپنی اہمیت کا احساس دلائیں تو کوئی بعید نہیں کہ مسجد اقصی محفوظ، مامون ہو اور نہتے فلسطینی امن وسکون کی زندگی گزار سکیں۔''

آخر میں فلسطین اور مسجد اقصیٰ پر جناب نعیم صدیقی مرحوم کی نظم پیش کی جارہی ہے کہ اس موضوع پر اس سے زیادہ مؤثر اور طاقتور نظم اردو میں اب تک نہیں لکھی گئی۔ یہ نظم بھی بہت طویل ہے، یہاں اس کی تلخیص پیش کی جارہی ہے:

یروشلم، یروشلم

لہو اُگل رہا ہے آج، میرا پُرفنوں قلم
شکستِ آرزو کا کیا، فسانہ ہوسکے رقم
خیال پُرزے پُرزے ہیں، کروں میں کس طرح بہم
—— یروشلم، یروشلم!

یروشلم، یروشلم، تو اک حریمِ محترم
ترے ہی سنگِ در پہ آج منہ کے بل گرے ہیں ہم
تجھے دیا ہے ہاتھ سے، بہ زخمِ دل بہ چشمِ نم
—— یروشلم، یروشلم!

جہاں کی ساری راحتیں، سپردِ سیلِ نار کیں
کئی ہزار میتیں، گلی گلی نثار کیں
ترے وقار کے لئے، لہو دیا قدم قدم
—— یروشلم، یروشلم!

یہیں سے ہو کے عرش کو، سواریٔ نبیؐ گئی
ابھی تک اِن فضاؤں میں، ہے اک مہک بسی ہوئی
یہاں کی خاک پر ٹکے، براقِ نُور کے قدم
—یروشلم، یروشلم!

نمازِ بے مثال یاں، وہ کی گئی ہے اک ادا
بہ اقتدائے مصطفیٰؐ، حبیبِ خاصِ کبریا
کھڑے تھے اک قطار میں ملا کے انبیاء قدم
—یروشلم، یروشلم!

تسلط یہود یاں، رہے؟ نہیں، کبھی نہیں
یہ ظلم ایسا ظلم ہے کہ جس کی تاب ہی نہیں
میں دیکھتا ہوں آج پھر ''صلاحِ دین'' کا علم
—یروشلم، یروشلم!

بہ راہِ داستانِ دل، مہیب حادثوں کے موڑ
صدارتوں کی سازشیں، سفارتوں کے جوڑ توڑ
مثالِ زُلفِ یار ہیں، سیاستوں کے پیچ وخم
—یروشلم، یروشلم!

ہمارے ارد گرد ہیں، شکاریانِ حلقہ زن
اُدھر بھی دامِ مکر وفن، اِدھر بھی دامِ مکر وفن
اُدھر سے ناوکِ ستم، اِدھر سے ناوکِ ستم
—یروشلم، یروشلم!

موَحدینِ کعبہ کی صفیں پھٹی پھٹی ہوئی
محبتوں کی ڈوریاں سبھی کٹی کٹی ہوئی
کلیسیا، کنشت، دیر، صومعہ، سبھی بہم
—یروشلم، یروشلم!

عرب کے پیارے بھائیو، نگہ کی باگ موڑ دو
بتانِ شرق وغرب کے، تمام سحر توڑ دو
فریب ''دینِ زر گراں''، طلسم ''مذہب شکم''
—یروشلم، یروشلم!

قسائیوں کے فیض سے، ہے ایشیائے مغربی
طویل اور عریض اک، دکانِ لحم آدمی
تمام ریگ زار میں رواں ہے ایک سیلِ دَم
—یروشلم، یروشلم!

مرے دیارِ پاک میں، قلوب سے اٹھا دھواں
جکارتا سے انقرہ، فضائیں ہیں فغاں فغاں
دریدہ تن ہوا عرب، تپیدہ جان ہوا عجم
—یروشلم، یروشلم!

اگر خدا نصیر ہو، اگر خودی میں خم نہیں
ہماری راہِ شوق میں ہزار غم ہوں، غم نہیں
ہیں خارِ رہ رفیقِ رہ! ہمارے سنگ میل غم
—یروشلم، یروشلم!

متاعِ شوق اور کیا، بس ایک نامِ مصطفیٰؐ
شعورِ حق، جنونِ دیں، دلِ غمیں، لبِ دعا،
ہمارے پاس اور کیا! نہ تاجِ کَے، نہ جامِ جم
—یروشلم، یروشلم!

پھر ایک بار آئیں گے، یہ جاں نثار آئیں گے
اجل کے دوش پر سوار، شہسوار آئیں گے
بہ صد وقار آئیں گے، ترے وقار کی قسم!
—یروشلم، یروشلم!



پروفیسر محسن عثمانی ندوی کی مطبوعہ تصانیف

نمبر شمار	نام کتاب	پبلشر	سال اشاعت
۱	قضیۃ البعث الاسلامی (عربی)	(دار الصحوۃ، قاہرہ)	۱۹۸۴ء
۲	اسلام میں اہانت رسول کی سزا	(اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن، دہلی)	۱۹۸۴ء
۳	مصر کی عربی صحافت	(مکتبہ جامعہ، دہلی)	۱۹۸۹ء
۴	نفح الطیب فی مدح الحبیب (عربی)	(مجلس علمی، ذاکر باغ، دہلی)	۱۹۹۲ء
۵	حادثۂ کربلا اور اس کا پس منظر	(ادارہ اشاعت دینیات، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۳)	۱۹۹۳ء
۶	مطالعۂ مذاہب	(قاضی پبلشرز، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۳)	۱۹۹۳ء
۷	مسائل کا حل سورۂ یوسف کے مطالعہ کی روشنی میں	(دار عرفات، رائے بریلی)	۱۹۹۷ء
۸	دین کا متوازن تصور	(قاضی پبلشرز، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۳)	۱۹۹۷ء
۹	وحید الدین خاں، علماء اور دانشوروں کی نظر میں	(مجلس نشریات اسلام، کراچی)	۱۹۹۸ء
۱۰	یحدثونک عن السید أبی الحسن الندوی (عربی)	(دار ابن کثیر، دمشق)	۲۰۰۰ء

۱۱	مطالعۂ شعر وادب	(رابطہ ادب اسلامی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ)	۲۰۰۱ء
۱۲	دعوتِ اسلام اقوام عالم اور برادران وطن کے درمیان	(قاضی پبلشرز، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۳)	۲۰۰۱ء
۱۳	ہندو مذہب، مطالعہ اور جائزہ	(قاضی پبلشرز، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۳)	۲۰۰۲ء
۱۴	Islam the Religion of Peace and tolerance	(یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، دہلی)	۲۰۰۲ء
۱۵	مطالعۂ تصنیفات مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	عرشی پبلیکیشنز، دہلی ۶	۲۰۰۲ء
۱۶	حالات بدل سکتے ہیں	(قاضی پبلشرز، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۳)	۲۰۰۴ء
۱۷	کلیم احمد عاجز شخصیت اور شاعری	رابطہ ادب اسلامی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ)	۲۰۰۴ء
۱۸	نجیب محفوظ فی میزان النقد (عربی)	(ای، ایف، ایل یونیورسٹی، حیدرآباد)	۲۰۰۵ء
۱۹	ہندوستان میں اشاعت اسلام	(پبلشنگ ہاؤس، گورکھپور)	۲۰۰۶ء
۲۰	اساس اللغۃ العربیۃ ۳/اجزاء (عربی باشتراک مصنفین)	(دار ابن کثیر، دمشق)	۲۰۰۶ء
۲۱	اردو زبان کا تحفظ اور ہماری ذمہ داریاں	(اردو اکیڈمی، حیدرآباد، آندھراپردیش)	۲۰۰۷ء
۲۲	اردو کی کہانی اردو کی زبانی	(اردو اکیڈمی، حیدرآباد، آندھراپردیش)	۲۰۰۷ء
۲۳	دنیا کو خوب دیکھا (سفر نامے)	(قاضی پبلشرز، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۳)	۲۰۰۷ء
۲۴	تقدیم امم کا راز داں - مولانا ابوالکلام آزاد	(اردو اکیڈمی، حیدرآباد، آندھراپردیش)	۲۰۰۸ء

۲۵	عربی اور اسلامی علوم کے گلاب عجم کے لالہ زاروں میں	(اسلامک فقہ فاؤنڈیشن دہلی)	۲۰۰۸ء
۲۶	دے مجھ کو زباں اور	(اقبال اکیڈمی، گلشن خلیل، حیدرآباد)	۲۰۰۹ء
۲۷	ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات	(مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد)	۲۰۰۹ء
۲۸	نقدِ شعر وادب (ادبی اور تنقیدی مقالات	(ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، لال کنواں، دہلی ۶)	۲۰۰۹ء
۲۹	کتابوں کے درمیاں	(خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۴)	۲۰۱۰ء
۳۰	ستاروں کے درمیان (شخصیات)	(خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۴)	۲۰۱۱ء
۳۱	مسلمانوں میں ہندو مذہب کے مطالعہ کی روایت	(انٹرنیشنل ڈائیلاگ، ڈی ۸۴، ابو الفضل انکلیو، نئی دہلی ۲۵)	۲۰۱۰ء
۳۲	مثالی استاد	آئیڈیل ٹیچرس ایسوسی ایشن، حیدرآباد	۲۰۱۰ء
۳۳	خطبات تعلیم وتربیت	(ہدی پبلیکیشنس، حیدرآباد)	۲۰۱۱ء
۳۴	انقلاب واضطراب عرب دنیا میں	(ہدی پبلیکیشنس، حیدرآباد)	۲۰۱۱ء
۳۵	شام جل رہا ہے	(ہدی پبلیکیشنس، حیدرآباد)	۲۰۱۱ء
۳۶	شام-لہولہو	(ہدی پبلیکیشنس، حیدرآباد)	۲۰۱۲ء
۳۷	پروفیسر ضیاء الحسن ندوی-حیات وخدمات	(رابطہ ادب اسلامی لکھنؤ)	۲۰۱۲ء

زیر طبع عربی کتابیں

۱	التصوف ورجال التصوف	(عربی)
۲	الغزل وشعراء الغزل فی الشعر الأردی	(عربی)
۳	تاریخ الهند عبر العصور	(عربی)

مختصر تعارف مصنف

☆ نگراں سہ ماہی عربی مجلّہ ''الصحوۃ الاسلامیۃ'' حیدرآباد

☆ چیف ایڈیٹر، سہ ماہی عربی مجلّہ ''اقلام واعدۃ'' فی الشعر والادب حیدرآباد

☆ ایڈیٹر اردو سہ ماہی ''مطالعات'' انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹو اسٹڈیز، دہلی

☆ سابق ڈین اسکول آف عرب اسٹڈیز وصدر شعبہ عربی ادب
انگلش اینڈ فارن لینگویجز یونیورسٹی، حیدرآباد

☆ حال استاذ وصدر شعبہ تخصصات دارالعلوم حیدرآباد

اعزازات، رکنیت اور منصب

۱	رکن مجلس انتظامی	دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲	رکن مجلس انتظامی	مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ
۳	رکن	انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹو اسٹڈیز، دہلی
۴	رکن اعزازی	انجمن ترقی اردو حیدرآباد

۵	رکن	رابطہ ادب اسلامی ہند
۶	سابق رکن	دائرۃ المعارف، حیدرآباد
۷	ایوارڈ یافتہ	ایوارڈ صدر جمہوریہ برائے عربی زبان
۸	سابق صدر	شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی
۹	سابق استاذ	جواہر لال نہرو یونیورسٹی
۱۰	رکن اساسی	سنٹر فار اسلامک ایڈوکیشن برائے فاصلاتی تعلیم انگلش، حیدرآباد
۱۲	سابق ممبر اگزیکٹیو کمیٹی	انگلش اینڈ فارن لینگویجز یونیورسٹی، حیدرآباد

(مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے حیدآباد سینٹرل یونیورسٹی میں مسٹر ناہید حسن کاام فل کا زیر طبع مقالہ ''پروفیسر محسن عثمانی - حیات وخدمات''

موجودہ پتہ ٹیلی فون نمبر، ای میل

دارالعلوم حیدرآباد، شیورام پلی، حیدرآباد ۵۰۰۰۵۲

09000018291

profmohsinusmani@gmail.com